اس شمارے میں

نورِ ہدایت	مشاہدۂ صفتِ احیاء موتی		۵
نظر وفکر	اِسلام کا نظامِ عدل	محمد سلمان منصور پوری	۶
وفیات	حضرت مولانا محمد اِدریس صاحبؒ	مرتب	۱۲
درسِ حدیث	سچے مسلمان بنئے !	مولانا اشہد رشیدی صاحب	۱۴
مقالات ومضامین	صدموں اور غموں بھرے لمحات	مولانا کلیم اللہ قاسمی	۱۸
	دنیا میں کیا کیا ہوگا؟	مولانا مفتی محمد عفان منصور پوری	۲۶
	اِسلام میں عورت کا مقام ومرتبہ	مولانا مفتی محمد سلیمان قاسمی	۳۴
	انصارِ مدینہ میں سب سے پہلے.....	مولانا مفتی ابوجندل قاسمی	۴۲
شخصیات	حضرت اِمام ابوحنیفہؒ بحیثیت محدث	مولانا محمد حذیفہ ہردے پوری	۴۶
	حاجی عبدالرزاق نصیرآبادیؒ	مولانا نور عالم خلیل اَمینی	۵۲
ذکرِ رفتگاں	ایک پیکر اَخلاق ووفا نہ رہا	مولانا ضیاء الحق خیرآبادی	۵۷
کتاب المسائل	تین طلاق کے متعلق مسائل	مفتی محمد سلمان منصور پوری	۶۰
مطالعہ کی میز پر	تَعَلَّمُوْا الْعَرَبِيَّةَ فَإِنَّهَا مِنْ دِيْنِكُمْ	مفتی محمد عفان منصور پوری	۶۶
عالمی خبریں			۲
جامعہ کے شب وروز	مہتمم جامعہ کے اسفار، واردین وصادرین، وفیات		۶۷

نورِ ہدایت:

مشاہدۂ صفتِ احیاءِ موتی

ارشادِ ربانی: وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى، قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ، قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ، قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِيْنَكَ سَعْيًا وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ . (البقرة: ٢٦٠)

ترجمہ: ''اور اُس وقت کو یاد کیجئے، جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا اے میرے پروردگار! مجھے دکھلایئے کہ آپ مردوں کو کیسے زندہ فرمائیں گے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: کیا آپ کو یقین نہیں ہے؟ عرض کیا: کیوں نہیں؟ لیکن اِس واسطے کہ دلی اطمینان چاہتا ہوں، تو فرمایا کہ آپ چار پرندے پکڑ کر اُنہیں اپنے سے مانوس کرلیں، پھر (اُن کو ذبح کرکے اور گوشت پوست کا قیمہ بنا کر) ہر پہاڑ پر ان کے بدن کا ایک حصہ رکھ دیں، پھر اُن (میں سے ہر ایک) کو بلائیں، تو وہ سب آپ کے پاس دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے، اور جان لیجئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ زبردست اور حکمت والے ہیں''۔

اِس آیتِ مبارکہ میں سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اللہ تعالیٰ سے ایک گفتگو کے ضمن میں ''احیاءِ موتی'' کی عظیم قدرتِ خداوندی کا بہت ہی مؤثر انداز میں ذکر فرمایا گیا ہے اور جو لوگ ''بعث بعد الموت'' کے منکر ہیں، اُن کو آئینہ دکھایا گیا ہے۔

بلاشبہ تمام انبیاء علیہم السلام اعلیٰ درجہ کی ایمانی کیفیات سے متصف ہوتے ہیں، اِس لئے اُن کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ اُنہیں اللہ تعالیٰ کی صفت ''احیاءِ موتی'' میں ذرہ برابر بھی شبہ ہو، خاص کر حضرت ابرہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے تو اِس کی کوئی توقع ہے ہی نہیں۔ اِسی لئے اللہ تعالیٰ نے اُن کے احیاءِ موتی کی کیفیت دکھانے کے سوال کے جواب میں اولاً یہ پوچھا کہ: ''اَوَلَمْ تُؤْمِنْ'' (یعنی کیا آپ کو یقین نہیں ہے؟) اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کامل یقین کا اظہار فرمادیا تو اس کے بعد احیاءِ موتی کی کیفیت وصورت کا عملی مظاہرہ آپ کے سامنے کرایا گیا۔ اِسی بنا پر سرورِ عالم، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دفاع فرماتے ہوئے یہ شاندار جملہ ارشاد فرمایا: ''نَحْنُ أَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ إِبْرَاهِيْمَ، إِذْ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى الخ'' (یعنی جس چیز کو ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے شک وشبہ سمجھا جارہا ہے، وہ اگر واقعۃً شک ہوتا تو ہم اِس شک کے زیادہ حق دار ہوتے) حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سوال شک کی بنا پر نہیں؛ بلکہ مزید اطمینانِ قلبی کے لئے تھا، اور ایسے اطمینانِ قلبی کے ہم بھی ان سے زیادہ مشتاق ہیں۔ (فتح الملہم ۱/۲۹۳)

بہرحال یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ ابراہیم علیہ السلام نے کسی شک وشبہ کی بنیاد پر مذکورہ سوال نہیں فرمایا تھا؛ بلکہ آپ نے احیاء کی کیفیت کا مشاہدہ کرکے اپنی ایمانی حرارت وکیفیت میں اِضافہ فرمایا ہے۔

نظر وفکر

ایک جامع قرآنی وعظ (۷۴)

محمد سلمان منصورپوری
Mansoorpuri
@gmail.com

اِسلام کا نظامِ عدل

اسلام کی نظر میں ہر سطح پر عدل وانصاف کا قیام اِنسانیت کی بنیادی ضرورت اور اَنبیاء ورسل کی بعثت کے خاص مقاصد میں سے ہے۔ چناں چہ ارشادِ خداوندی ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ. (الحدید: ۲۵)

ہم نے اپنے رسول واضح نشانیاں دے کر بھیجے ہیں، اور ہم نے اُن کے ساتھ کتاب اور ''ترازو'' کو اُتارا؛ تاکہ لوگ اِنصاف پر قائم رہیں۔

اس آیتِ مبارکہ میں واضح طور پر یہ حقیقت بیان کردی گئی ہے کہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام کو تین چیزیں دے کر دنیا میں مبعوث کیا گیا تھا:

(۱) کھلی ہوئی نشانیاں:- جنہیں دیکھ کر یہ یقین ہوجائے کہ وہ رسول واقعۃً اللہ کے پیغمبر ہیں، اور ان کی لائی ہوئی ہدایات سو فیصد برحق ہیں۔

(۲) کتاب:- یعنی وحی مقدس جو انسانوں کی ہدایت کے لئے رسولوں پر نازل کی گئی۔

(۳) میزان:- یعنی حق وباطل کو جانچنے کا وہ معیار جو ترازو کی طرح تول کر یہ بتلادے کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط؟ جس کے ذریعہ سے اِفراط وتفریط سے بچنا ممکن ہو، اور پورا اِنسانی معاشرہ ہر سطح پر عدل واِنصاف کا مظہر بن جائے۔

اور ایک دوسری آیت میں ایمان والوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ. (النساء: ۱۳۵)

اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو، گواہی دو اللہ کی طرف، اگرچہ تمہارا اَپنا یا والدین کا یا رشتہ داروں کا نقصان ہو۔

نیز ارشاد فرمایا گیا:

وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى. (الانعام: ۱۵۲)

جب تم بات کیا کرو تو (اس میں) انصاف (کا خیال) رکھا کرو، گوکہ وہ شخص قرابت دار ہی ہو۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا گیا:

وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ. (الشوریٰ: ۱۵)

اور مجھے حکم ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل رکھوں۔

اِن آیات سے معلوم ہوا کہ عدل وانصاف کے معاملہ میں رشتہ دار اور غیر رشتہ دار میں کوئی فرق نہ ہونا چاہئے؛ بلکہ جو بات حق ہو اُسی کو بہر حال پیشِ نظر رکھا جائے۔

دشمنی کی وجہ سے عدل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے

عموماً یہ دیکھا جاتا ہے کہ جب کسی سے دشمنی ہوتی ہے، تو اس کے بارے میں عدل واِنصاف پر قائم رہنا سخت مشکل ہوجاتا ہے، اس لئے اس کے متعلق قرآنِ پاک میں خصوصی ہدایت کرتے ہوئے فرمایا گیا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ، وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا، اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى. (المائدۃ: ۸)

اے ایمان والو! کھڑے ہوجایا کرو اللہ کے واسطے گواہی دینے کو انصاف کی اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو، عدل کرو یہی بات تقویٰ سے زیادہ نزدیک ہے۔

یعنی نہ تو کسی رشتہ دار وغیرہ کی ناحق حمایت کی جائے اور نہ ہی کسی دشمن کی ناحق مخالفت کی جائے، ایسا نہ ہو کہ اگر دوستی ہے تو حق وناحق ہر اعتبار سے ساتھ دیا جارہا ہے، اور دشمنی اور بغض ہے تو حق وناحق ہر اعتبار سے مخالفت کی جارہی ہے، جیسا کہ خودغرض اور بے ضمیر لوگوں کا طریقہ ہوتا ہے۔

اِسلام یہ چاہتا ہے کہ پورا اِنسانی معاشرہ ہر اعتبار سے عدل وانصاف کا عادی بن جائے اور انصاف کے حصول میں نہ تو تعلقات حائل ہوں اور نہ ہی کسی کی دشمنی غلط فیصلہ کا محرک بنے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی انداز میں فرمائی تھی۔

چناں چہ روایات میں وارد ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیبر کے باغات کے پھلوں کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا، تو وہاں کے یہودی باشندوں نے

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو کچھ رشوت دینے کا ارادہ کیا؛ تاکہ وہ ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کریں، یہ بھانپ کر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ:

''اللہ کی قسم! میں جس ذات کے پاس سے آرہا ہوں وہ میرے نزدیک تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ محبوب ہیں (یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) جب کہ تم لوگ میرے نزدیک بندر اور خنزیر جیسے ذلیل جانوروں سے بھی زیادہ ناپسند ہو؛ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور تم لوگوں سے بغض مجھے اس بات پر ہرگز آمادہ نہیں کرسکتا کہ میں تمہارے ساتھ ذرہ برابر بھی ناانصافی کروں''۔

حضرت کا یہ صاف جواب سن کر خیبر کے یہودی بول اٹھے کہ ''ایسے ہی لوگوں سے زمین اور آسمان قائم ہیں''۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ۳۶۸)

ایک طرف صحابیِ رسول کا یہ کردار ہے، دوسری طرف آج ہمارے معاشرہ کا حال یہ ہے کہ فیصلے اور اقدامات کے اندر عدل وانصاف کے تقاضوں کے بجائے واضح طور پر دوستی اور دشمنی اثر انداز ہوتی ہے، جب کسی سے دوستی ہوتی ہے تو اس درجہ کی کہ اس کی کھلی ہوئی غلط باتوں کو آدمی نظر انداز کردیتا ہے، اور دشمنی ہوتی ہے تو اس درجہ کی کہ اس کی اچھائیاں یکسر نظر سے کافور ہوجاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ صورتِ حال اسلامی تعلیمات کے قطعاً خلاف ہے، آدمی کو بہرحال منصف مزاج ہونا چاہئے۔ اگر انصاف نہیں کیا جائے گا تو دنیا میں کسی بھی جگہ امن قائم نہیں رہ سکتا۔

حکام کے لئے چند خاص ہدایات

عام طور پر اربابِ اقتدار اور حکمراں طبقہ کی طرف سے عدل وانصاف کی پامالی کا خطرہ زیادہ رہتا ہے، خاص کر جب کہ اس کے ساتھ مادی منفعت اور خودغرضی شامل ہوجائے، تو انصاف کا خون ہونا لازم ہے، اس لئے اسلام نے فکری اور عملی طور پر اس کا خاص اہتمام کیا ہے کہ اربابِ حکومت حتی الامکان عدل وانصاف کے پابند رہیں اور ناانصافی سے دور رکھے جائیں۔

چناں چہ قرآنِ کریم میں فرمایا گیا:

اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوْا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَھْلِھَا، وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ	بے شک اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم اَمانتیں اُن کے مالکوں کو اَدا کردو، اور جب تم لوگوں کے درمیان

اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ، اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ، اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا. (النساء: ۵۸)

فیصلے کرو، تو اِنصاف سے فیصلہ کیا کرو، اللہ تعالیٰ تم کو اچھی نصیحت کرتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

نیز حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

يَا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ، فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. (ص: ۲۶)

اے داؤد! ہم نے آپ کو ملک میں نائب بنایا ہے؛ لہٰذا آپ لوگوں میں اِنصاف سے حکومت کیجئے، اور اپنی نفسانی خواہش پر نہ چلئے کہ وہ آپ کو اللہ کے راستہ سے ہٹادے۔

اور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہدایت دی گئی کہ اگر کبھی فریقین کے درمیان فیصلہ کرنے کی نوبت آئے تو عدل وانصاف کا خاص خیال رکھیں۔ چناں چہ ارشاد ہوا:

وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ، اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ. (النساء، جزء آیت: ۴۲)

اور اگر آپ فیصلہ کریں، تو اُن میں اِنصاف سے فیصلہ کریں، یقیناً اللہ تعالیٰ اِنصاف کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔

نیز ایک خاص واقعہ کے پس منظر میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ ہدایت دی گئی:

اِنَّا اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰكَ اللّٰهُ، وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا. (النساء: ۱۰۵)

بے شک ہم نے آپ کی طرف سچی کتاب اُتاری ہے؛ تاکہ آپ لوگوں میں اِنصاف فرمائیں، جو کچھ اللہ تعالیٰ آپ کو سمجھادیں اور آپ خائنوں کی طرف سے دفاع مت فرمایئے۔

اس طرح کی سب آیتوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام پورے عالم میں حقیقی عادلانہ نظام قائم کرنا چاہتا ہے، جس میں کوئی اُونچ نیچ نہ ہو اور حق دار کا حق ادا کرنے میں کسی طرح کی کوئی رکاوٹ نہ رہے۔

نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عدل

سیرتِ طیبہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ہر ہر ورق اِس بات پر گواہ ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے پوری زندگی ہر موڑ پر عدل وانصاف کا دامن پوری مضبوطی سے تھامے رکھا، اور کسی موقع پر بھی بے جا طرف داری یا کمزور شخص سے پہلوتہی کا کوئی شائبہ آپ سے ظاہر نہیں ہوا۔ چناں چہ آپ نے آخری حج کے موقع پر عالمی عدل ومساوات کا جو منشور پیش فرمایا، وہ پوری اِنسانیت کے لئے مشعلِ راہ ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ أَلاَ لاَ فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ وَلاَ لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ وَلاَ لأَحْمَرَ عَلٰى أَسْوَدَ وَلاَ لأَسْوَدَ عَلٰى أَحْمَرَ إِلاَّ بِالتَّقْوٰى إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَكُمْ. (الترغيب والترهيب حديث: ٤٣٧١، حياة الصحابة ٣/٤٠٨)

اے لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے، اور تم سب کے والد بھی ایک ہیں (یعنی حضرت آدم علیہ السلام) خبردار رہو! کسی عربی کو عجمی پر، کسی عجمی کو عربی پر، کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر تقویٰ کے علاوہ کسی اعتبار سے فضیلت حاصل نہیں ہے، بے شک تم میں سب سے باعزت شخص اللہ تعالیٰ کی نظر میں وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے۔

خطبہ کے یہ بلیغ الفاظ انسانی مساوات کے سلسلہ میں اسلامی نظریہ کی وضاحت کے لئے کافی ہیں، اسلام میں شرافت کا اصل معیار رنگت، نسل، علاقائیت یا خاندان نہیں ہے؛ بلکہ معیارِ شرافت ایمان، عملِ صالح، تقویٰ اور اخلاقِ فاضلہ ہیں، اور طبقاتی کشمکش جو دنیا میں رائج ہے وہ اسلام کے تصورِ مساوات سے بالکل جداگانہ ہے۔

اللہ کی حدود میں سفارش منظور نہیں

اور صحیح روایات میں یہ واقعہ بھی موجود ہے کہ قریش کے معزز خاندان (بنومخزوم) کی ایک عورت چوری کے جرم میں ماخوذ ہوگئی تھی، اور اس پر چوری کی سزا (ہاتھ کاٹے جانے) جاری کرنے کا فیصلہ ہوگیا تھا، جس کی بناء پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک چہیتے صحابی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو عورت کے خاندان والوں نے سفارشی بنا کر پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا اور اس سے حد اُٹھانے کی درخواست کی، یہ سن کر نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سخت ناراض ہوئے، اور نہایت جلال میں ارشاد فرمایا:

"أَتَشْفَعُ فِيْ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ" (کیا اللہ کی حد کے بارے میں تم سفارش کرنے آئے ہو؟) پھر آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِيْنَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوْا إِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الشَّرِيْفُ تَرَكُوْهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الضَّعِيْفُ أَقَامُوْا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَأَيْمُ اللّٰهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا. (صحيح مسلم ٦٤/٢)

اے لوگو! تم سے پہلی قوموں کو اسی بات نے ہلاکت میں ڈالا کہ ان میں سے اگر کوئی معزز شخص چوری میں پکڑا جاتا تو اُسے ویسے ہی چھوڑ دیتے تھے، اور اگر کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے تھے، اور اللہ کی قسم اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دوں گا۔

بلاشبہ یہی وہ اسلامی تعلیم ہے جو سارے عالم میں اَمن وامان کے بقاء کی ضمانت ہے۔

خلیفۂ اَول سیدنا حضرت صدیق اَکبر رضی اللہ عنہ کی عادلانہ فکر

خلیفۂ اول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب منصبِ خلافت پر تشریف فرما ہوئے، تو آپ نے جو پہلا خطبہ ارشاد فرمایا اس میں درج ذیل کلمات بھی تھے، جو عدل وانصاف کے بارے میں آپ کے پرعزم نظریہ پر روشن دلیل ہیں، آپ نے پوری قوت کے ساتھ ارشاد فرمایا:

وَإِنَّ اَقْوَاكُمْ عِنْدِيْ الضَّعِيْفُ حَتّٰى اٰخُذَلَهُ بِحَقِّهٖ وَإِنَّ أَضْعَفَكُمْ عِنْدِيْ الْقَوِيُّ حَتّٰى اٰخُذَ مِنْهُ الْحَقَّ. (موسوعة آثار الصحابة ٣٥/١)

اور میرے نزدیک تم میں سے زیادہ طاقتور، ضعیف (مظلوم) شخص ہے، حتی کہ میں اس کا (واقعی) حق اس کو دلا کر رہوں گا، اور میرے نزدیک تم میں سب سے زیادہ کمزور، طاقت ور (ظالم) شخص ہے حتی کہ میں اس سے (دوسرے کا) حق لے کر رہوں گا۔

عام طور پر دنیا میں یہ ہوتا ہے کہ غریب اور ضعیف کی فریاد تک نہیں سنی جاتی، جب کہ طاقتور اور باوجاہت لوگوں کی غلط حرکتوں کی بھی چشم پوشی کی جاتی ہے، جس کی وجہ سے ظالم کے حوصلے بلند ہوجاتے ہیں اور مظلوم کی امیدیں ٹوٹ کر رہ جاتی ہیں۔ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں اپنا کردار روز روشن کی طرح عیاں کردیا کہ یہاں ضعیف اور کمزور پر نظر نہیں ہوگی بلکہ حق اور ناحق پر نظر ہوگی طاقت اور ضعف کا پیمانہ نہیں ہوگا؛ بلکہ ظالم اور مظلوم کا پیمانہ ہوگا۔ اور ہر شخص کی فریادرسی انصاف کے ساتھ کی جائے گی۔

ابتداءِ خلافت میں آپ نے جس عزم کا اظہار فرمایا تھا، تادم آخر آپ اس پر پوری طرح قائم رہے۔ (جاری)

وفیات:

عارف باللہ حضرت مولانا محمد اِدریس صاحبؒ

سیمانچل (بہار) کے مشہور ومعروف مستجاب الدعوات، صاحبِ معرفت بزرگ اور عالم دین عارف باللہ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب نوراللہ مرقدہٗ (خلیفہ اجل شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ) گذشتہ ۳۰؍جنوری ۲۰۱۵ء بروز جمعہ کی شب میں رحلت فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مرحوم انتہائی متواضع، مسکین طبعیت، سادگی پسند، رقیق القلب اور ذاکر وشاغل بزرگ تھے، موصوف بلاشبہ اُن مقدس نفوس میں سے تھے جنہیں دیکھ کر اللہ تبارک وتعالیٰ کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ ورع وتقویٰ اور زہد وانابت الی اللہ میں آپ کی شخصیت ممتاز تھی، آپ کی راتیں یادِ خدا میں اور دن کے اوقات خدمتِ خلق میں صرف ہوتے تھے، شروع سے ہی تہجد کے پابند رہے، اور آخر شب میں تضرع وزاری کا معمول رہا، رقتِ قلبی ایسی تھی کہ مجمع میں یا تنہائی میں جب بھی دعا کے لئے ہاتھ اُٹھاتے تو آنکھیں نم ہوجاتیں۔ عموماً علاقے کے جلسے آپ ہی کی صدارت میں منعقد ہوتے، اور جب آپ جلسہ کے آخر میں دعا کراتے تھے تو بے اختیار گریہ وزاری کا ماحول بن جاتا تھا۔

آپ نے پوری زندگی دینی خدمات میں صرف فرمائی، اور اِس راہ میں ہر طرح کی مشکلات برداشت کیں۔ آپ کا اصل وطن تو نوکٹہ ضلع کشن گنج میں ہے؛ لیکن آپ نے قریبی شہر اِسلام پور (ضلع اُتر دیناج پور بنگال) میں اپنے شیخ حضرت مدنیؒ کے نام پر ''مدرسہ حسینیہ'' قائم فرمایا، اہل بدعت نے اس مدرسہ کے قیام میں بہت رکاوٹیں ڈالیں؛ لیکن آپ مضبوطی اور ہمت کے ساتھ اپنے ارادے پر قائم رہے، اور تادم آخر اِس مدرسہ کو ترقی دینے کے لئے کوشاں رہے، چناں چہ الحمدللہ اب یہ مدرسہ روبہ ترقی ہے، اور جہالت وبدعت زدہ آبادی میں سنت اور علم نبوی کی روشنی پھیلا رہا ہے۔ فالحمدللہ علیٰ ذٰلک۔

حضرت مرحوم کی پیدائش ۷؍اپریل ۱۹۳۴ء مطابق ۲۲؍ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ میں آبائی وطن نوکٹہ ضلع کشن گنج بہار میں ہوئی، ابتدائی تعلیم نوکٹہ ہی میں حاصل کی، اس کے بعد فارسی کی تعلیم ''دارالعلوم چنامنا'' اور ''مدرسہ پتیلہ بھاسا'' (یہ دونوں جگہیں نوکٹہ کے قریب ہی واقع ہیں) میں حاصل کی، اس کے بعد آپ نے چند سال عصری تعلیم میں لگائے، بعدازاں ۱۹۴۸ء میں بہار کے مشہور ادارے ''دارالعلوم لطیفی کٹیہار'' میں تین سال گذار کر عربی کی ابتدائی کتابوں کی تعلیم حاصل کی۔ پھر ۱۹۵۱ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے؛ لیکن دورۂ حدیث شریف کے سال بعض وجوہات کی بنا پر آپ نے دارالعلوم دیوبند کی طالب علمی

چھوڑ کر جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں داخلہ لیا، اور یہیں سے دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی، اس طرح آپ جہاں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، وہیں محدث کبیر حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی کا بھی آپ کو شرف حاصل ہوا۔ مدرسہ شاہی سے فراغت کے بعد ۱۹۵۶ء میں آپ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے، اور پوری توجہ کے ساتھ تصوف وسلوک میں کمال حاصل کرنے میں ہمہ تن مشغول ہوگئے، اور حضرت مدنیؒ کی صحبت ورفاقت کے ساتھ ساتھ حضرت کے بتلائے ہوئے اَوراد ووظائف پابندی کے ساتھ انجام دینے لگے؛ تا آں کہ حضرت مدنیؒ نے وفات سے دو مہینے قبل ربیع الثانی ۱۳۷۷ھ مطابق اکتوبر ۱۹۵۷ء میں آپ کو خلافت واِجازتِ بیعت سے سرفراز فرمایا، اور آپ حضرت مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے آخری خلیفہ قرار پائے۔

آپ کو اپنے شیخ اور اُن کے خانوادے سے عشق کے درجہ کا تعلق تھا، بالخصوص جانشین شیخ الاسلام حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نوراللہ مرقدہٗ سے تو آپ کو والہانہ عقیدت تھی، حضرت کے بہار کے دوروں میں حتی الامکان آپ ساتھ رہنے کی کوشش فرماتے تھے، اور حضرتؒ بھی آپ کا بے انتہا خیال فرماتے تھے۔

جمعیۃ علماء ہند اور اس کی تحریکات اور پروگراموں سے بھی آپ مسلسل وابستہ رہے، اسی طرح سیکڑوں مدرسوں اور مکاتب کے آپ سرپرست رہے، اور علاقے میں دینی پروگرام آپ کی سرپرستی کے بغیر بہت کم ہی منعقد ہوتے تھے۔

اخیر کے چند سال آپ پیٹ کی بیماریوں میں مبتلا رہے، بار بار آپریشنوں کی وجہ سے متعدد عوارض پیدا ہوگئے تھے؛ لیکن کبھی بھی حرفِ شکایت زبان پر نہ لائے، اور اسی حال میں حتی الامکان خدمتِ دین وملت میں مصروف رہے؛ تا آں کہ وقت موعود آ پہنچا، اس وقت آپ بعض متعلقین کی دعوت پر حیدرآباد میں مقیم تھے، وہیں وفات ہوئی، پہلی نماز جنازہ حیدرآباد میں ادا کی گئی، پھر بذریعہ ہوائی جہاز آپ کی نعش آبائی وطن نوکٹہ لائی گئی، اور اگلے دن ایک لاکھ سے زائد افراد نے آپ کی نماز جنازہ میں شرکت کی اور نم آنکھوں سے سپرد خاک کیا۔ کہا جاتا ہے کہ قریبی زمانے میں کسی کی وفات پر نماز جنازہ میں اتنا بڑا مجمع نہیں دیکھا گیا، یہ آپ کی مقبولیت عنداللہ وعندالناس کی دلیل ہے۔ نماز جنازہ آپ کے بڑے صاحب زادے مفتی محمد عیسیٰ ادریس قاسمی نے پڑھائی، اور علاقہ کے ذمہ دار حضرات نے موصوف ہی کو حضرت کا جانشین مقرر کیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے درجات بے حد بلند فرمائے، اور آپ کی خدمات کا بہترین بدلہ عطا فرمائے، متعلقین کو صبر جمیل سے نوازے، اور حضرت کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین۔ □□□

درسِ حدیث:

سچے مسلمان بنئے!

حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ: صَعِدَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِنْبَرَ، فَنَادٰى بِصَوْتٍ رَفِيْعٍ، فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ مَنْ أَسْلَمَ بِلِسَانِهٖ وَلَمْ يُفْضِ الْإِيْمَانُ إِلٰى قَلْبِهٖ لَا تُؤْذُوْا الْمُسْلِمِيْنَ، وَلَا تُعَيِّرُوْهُمْ، وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ، فَإِنَّهٗ مَنْ يَتَّبِعْ عَوْرَةَ أَخِيْهِ الْمُسْلِمِ يَتَّبِعُ اللهُ عَوْرَتَهٗ، وَمَنْ يَتَّبِعِ اللهُ عَوْرَتَهٗ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِيْ جَوْفِ رَحْلِهٖ. (رواه الترمذي، مشكوة المصابيح: ٤٢٩)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم علیہ السلام ممبر پر تشریف لے گئے اور بلند آواز سے فرمایا: اے ایسے لوگو! جو اپنی زبان سے تو مسلمان بن گئے ہو مگر اسلام ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے (تین گناہوں سے بچو!) (۱) مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچاؤ (۲) ان کو عار و شرم مت دلاؤ (۳) اور ان کی ٹوہ میں نہ لگو؛ کیوں کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی ٹوہ لیتا ہے، اللہ رب العزت اس کی پوشیدہ باتوں کے پیچھے پڑ جاتا ہے اور اللہ جس کی ٹوہ میں لگ جائے وہ ذلیل و خوار ہو جاتا ہے، خواہ اپنے گھر میں کیوں نہ بیٹھا ہو۔

تشریح:- نبی کریم علیہ السلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خوبیوں اور اچھی عادتوں سے مزین کر کے رہتی دنیا تک آنے والوں کے لئے قابلِ تقلید نمونہ بنا دیا، آپ نے ان کو اگر ایک طرف اعمالِ صالحہ کی ترغیب دی ہے، تو دوسری طرف انسانیت، شرافت اور اعلیٰ اقدار کا حامل بھی کر دیا، گویا ظاہر و باطن دونوں کی اصلاح فرما کر آپ نے ان کو زمانہ کا مقتدیٰ اور پیشوا بنا دیا، حقیقت یہ ہے کہ نبوی تعلیمات صرف آپ کے دور میں رہنے والوں ہی کے لئے مفید نہیں تھیں؛ بلکہ قیامت تک آنے والی نسلِ انسانی کے ہر فرد کے لئے مفید ہیں۔ اور آج بھی ان کی افادیت میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ زیرِ نظر حدیث میں بھی نبی کریم علیہ السلام امت کو چند نہایت بری عادتوں سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے پکے سچے مسلمان بننے کی تعلیم دے رہے ہیں، جس کی مختصر سی تفصیل حسب ذیل ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم علیہ السلام مسجدِ نبوی کے ممبر پر چڑھے اور لوگوں کو بلند آواز سے مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: اے ایسے لوگو! جو بظاہر محض اپنی زبانوں سے اسلام قبول کر چکے ہو، مگر ان کے قلوب میں اسلام ابھی تک داخل نہیں ہوا ہے، تم تین برائیوں سے بچو؛ کیوں کہ جس کے اندر یہ تین برائیاں ہوں گی وہ نفاق کی بیماری میں مبتلا ہوگا، اس کا ظاہر کچھ ہوگا اور باطن کچھ اور ہوگا، وہ بظاہر اگر چہ زبان سے بار بار کلمہ پڑھے؛ لیکن اس کا دل مسلمان نہیں ہوگا۔ اور یاد رکھو جب تک انسان دل سے مسلمان نہ ہو، اس وقت تک اس کا کوئی بھی عمل قبولیت کے درجہ کو نہیں پہنچ سکے گا۔ وہ تین برائیاں یہ ہیں:

(۱) **لَا تُؤْذُوْا الْمُسْلِمِيْنَ:** نبی کریم علیہ السلام پہلی برائی کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں، کہ اگر تم نفاق سے بچنا چاہتے ہو اور پکے سچے مسلمان بننا چاہتے ہو، تو اس بات کا عہد کر لو کہ زندگی بھر ناحق کبھی کسی مسلمان کو تکلیف نہیں پہنچائیں گے، نہ زبان سے تکلیف پہنچائیں گے اور نہ ہاتھوں سے کبھی اس کو کوئی دکھ دیں گے؛ کیوں کہ ایک انسان کے سچے مسلمان ہونے کی علامت یہی ہے، جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ. (رواه البخاري، مشكوة: ١٢) — حقیقی مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

آج کل ایسا لگتا ہے کہ کسی کو پریشان کئے بغیر لوگوں کا کھانا ہی ہضم نہیں ہوتا، طاقت ور کمزور کو اور مالدار غریب کو تو مختلف انداز سے تکلیف پہنچاتا ہی ہے، اس کے علاوہ موجودہ زمانہ میں محض جلن اور حسد کی وجہ سے بھی ایک دوسرے کو پریشان کیا جاتا ہے، گویا کسی کو ناحق تکلیف پہنچانے اور پریشان کرنے کے دو اسباب ہوتے ہیں: (الف) کبر وغرور (ب) حسد وجلن۔ اور یہ دونوں برائیاں ایسی ہیں کہ انسان کو جنت سے محروم کر کے اس کی نیکیوں کو اکارت کر دیتی ہیں، چنانچہ کبر وغرور کے سلسلہ میں نبی کریم علیہ السلام ایک روایت میں ارشاد فرماتے ہیں:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَحَدٌ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ كِبْرٍ. (رواه مسلم، مشكوة المصابيح: ٤٣٣) — کوئی ایسا شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا کہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی بڑائی اور کبر وغرور ہو۔

اسی طرح ایک روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حسد وجلن کی تباہ کاری کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ، فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ.

(رواه أبوداؤد، مشكوة: ٤٢٨)

تم حسد سے بچو؛ کیوں کہ حسد نیکیوں کو اسی طرح کھا جاتا ہے کہ جس طرح آگ خشک لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

الغرض کسی بھی مسلمان کو زندگی کے ہر قدم پر ناحق تکلیف پہنچانے سے بچنے والا ہی شخص پکا سچا مؤمن بن سکتا ہے۔ اللہ رب العزت پوری امت کو اس نصیحت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمائے۔

(۲) **وَلَا تُعَيِّرُوْهُمْ:** نبی کریم علیہ السلام دوسری برائی کو ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر تم نفاق سے بچنا چاہتے ہو اور پکے سچے مسلمان بننا چاہتے ہو، تو اس بات کا عہد کرلو کہ زندگی بھر کبھی کسی مسلمان کو عار دلا کر رسوا اور ذلیل نہیں کریں گے، دوسروں کے سامنے اس کو بے عزت نہیں کریں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان سے کوئی گناہ پہلے ہوا تھا تو بعد میں اس کے گناہ کا تذکرہ کرکے اس کو عار نہ دلائی جائے؛ کیوں کہ اس کا مقصد ایک مسلمان بھائی کو ذلیل وخوار کرنے کے سوا کچھ نہیں ہوگا، جو کسی طرح جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ ماضی کے جس گناہ پر اس کو عار دلا کر بے عزت اور ذلیل کیا جارہا ہے وہ ربِ ذوالجلال کے سامنے اس پر ندامت کا اظہار کرکے سچی توبہ کرچکا ہو۔ اور اللہ رب العزت نے اس کی توبہ کو قبول کرکے گناہ کو معاف کردیا ہو، ایسی صورت میں عار دلانے والا یقیناً خدا کی پکڑ سے نہیں بچ سکے گا، چنانچہ ایک روایت میں نبی کریم علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ عَيَّرَ أَخَاهُ بِذَنْبٍ لَمْ يَمُتْ حَتّٰى يَعْمَلَهُ يَعْنِي مِنْ ذَنْبٍ قَدْ تَابَ مِنْهُ.

(رواه الترمذي، مشكوة المصابيح: ٤١٤)

وہ شخص کہ جس نے اپنے بھائی کو کسی ایسے گناہ پر عار دلائی ہو کہ جس سے وہ توبہ کرچکا ہے تو عار دلانے والا اس وقت تک نہیں مرے گا کہ جب تک وہ بھی اس گناہ کو نہ کرلے۔

آج کل لوگ بالکل احتیاط نہیں کرتے، جو منہ میں آتا ہے بک دیتے ہیں، خصوصاً رشتہ داروں اور پڑوسیوں میں اگر کسی بات پر تعلقات خراب ہوجاتے ہیں، تو بھولی بسری باتوں کا ذکر کرکے، طعن وتشنیع کا ایک لا متناہی سلسلہ شروع ہوجاتا ہے، بڑھاپے میں، نوعمری اور جوانی کی باتوں کو چھیڑ کر پگڑیاں اچھالی جاتی ہیں، عزتیں نیلام کی جاتی ہیں اور ایک دوسرے کو عار دلا کر شرمسار کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، جو کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

(۳) **وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ الخ:** نبی کریم علیہ السلام تیسری برائی کو بیان کرتے ہوئے

ارشادفرماتے ہیں کہ اگرتم نفاق سے بچنا چاہتے ہواور پکے سچے مسلمان بننا چاہتے ہو،تو اس بات کا عہد کرلو کہ زندگی بھر کبھی کسی مسلمان کے عیوب اور اس کی کمیوں کو تلاش نہیں کروگے، نہ اس کی ٹوہ میں لگوگے؛ کیوں کہ مسلمانوں کے عیبوں کو تلاش کرکے ان کو سرے عام بیان کرنے والا منافق تو ہوسکتا ہے مگر سچا پکا مسلمان کسی قیمت میں نہیں ہوسکتا ہے۔قرآن کریم میں بھی اللہ رب العزت دوسروں کی ٹوہ میں لگنے سے روکتا ہے۔ارشاد باری ہے:

وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا. (سورة الحجرات: ۱۲)

تم کسی کی ٹوہ میں نہ لگو اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے۔

آج کل لوگوں کے دلوں سے ہمدردی اور محبت کے جذبات نکل گئے ہیں، دوسروں کی اچھائیوں اور خوبیوں کو تلاش کرنے اور ان کو نظروں میں رکھنے کے بجائے عیوب کو تلاش کیا جاتا ہے، کمیوں پر نظر رکھی جاتی ہے۔اور پھر موقع ملتے ہی نمک مرچ لگا کر اس کو لوگوں کے سامنے بیان کیا جاتا ہے، گویا ایک مسلمان کی عزت کو داغدار کرنے کا کوئی موقع ہاتھوں سے جانے نہیں دیا جاتا، جب کہ نبی کریم علیہ السلام نے جہاں مسلمان کی کمیوں کو تلاش کرنے سے روکا ہے، وہیں اس بات کی بھی تاکید کی ہے کہ اگر بلا ارادہ کسی مسلمان کا کوئی عیب تمہارے سامنے اچانک ظاہر ہوجائے تو اس کو افشا کرنے کے بجائے چھپالو، اس پر پردہ ڈال دو اور ہرگز برسرے عام اس کا اظہار نہ کرو، چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ. (رواه مسلم، مشكوة المصابيح: ۳۲)

وہ شخص کہ جس نے کسی مؤمن کی پردہ پوشی کی، اللہ رب العزت اس کی دنیا وآخرت میں پردہ پوشی کرے گا۔

ان تمام اسلامی تعلیمات کو بھلا کر آج کے مسلمان عیب جوئی، الزام تراشی اور پردہ دری جیسے گناہوں میں مبتلا ہیں، جب کہ ان برائیوں کو نفاق کی علامت قرار دیا گیا ہے۔

نبی کریم علیہ السلام آخر میں لوگوں کو دوسروں کے عیوب کو تلاش کرنے اور ٹوہ میں لگنے سے باز رہنے کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ اس بری عادت سے بچو، ورنہ تو یاد رکھو خدا تمہاری ذلت ورسوائی کے اسباب کو پیدا کرے گا اور تم کو گھر بیٹھے ذلیل وخوار کردے گا۔اور یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ جس کو خدا ذلیل کرنا چاہے، اس کو دنیا کی کوئی طاقت عزت نہیں دے سکتی ہے۔اللہ رب العزت ہم سب کی حفاظت فرمائے اور پوری امت کو مذکورہ بالا تینوں بری عادتوں سے بچنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

❍❖❍

دوسری قسط

نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے

صدموں اور غموں بھرے لمحات

مولانا کلیم اللہ قاسمی معتمد دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدموں اور غموں کی روداد یہیں ختم نہیں ہوجاتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد جب آپ نے اپنی نبوت ورسالت کا اعلان فرمایا، تو آپ کے ساتھ مشرکین مکہ نے کیسی کیسی جاں گسل ایذائیں اور تکلیفیں پہنچائیں، جن کو یاد کرکے آج کے بڑے بڑے بہادر انسانوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، ایسے تمام حالات میں جب کہ صدموں اور غموں کے نہ تھمنے والا ایک عظیم سلسلہ تھا، آپ کی غم گسار شریک حیات حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا جو آپ کی ہر لمحہ دلجوئی اور عظیم خدمت کے لئے حاضر رہتی تھیں، جنہوں نے اپنی جان ومال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر قربان کررکھا تھا، اور آپ کو کسی پل مغموم واُداس دیکھنا نہ چاہتی تھیں، ہر وقت آپ کے صدموں اور غموں کے اِزالہ کے لئے فکرمند رہتی تھیں، جب اُن کی وفات کا حادثہ پیش آیا، تو اُن کی وفات پر محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا صدمہ اور رنج وغم لاحق ہوا کہ اس سال کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام الحزن قرار دیا، ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی ودل بستگی کے کچھ نقوش پیش ہیں، جنہیں پڑھ کر افسردہ اور غمزدہ دلوں کو کافی تشفی وتسلی نصیب ہوگی:

ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کی نبی اکرم ﷺ سے وابستگی وغمگساری

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا انتہائی ذہین وفطین پاکیزہ اخلاق اور صاحب ثروت خاتون تھیں، یہی وجہ تھی کہ دومرتبہ بیوہ ہونے اور عمر کی زیادتی کے باوجود مکہ مکرمہ کے متعدد رؤسا اور سرداران سے رشتہ ازدواج کے متمنی تھے، اور اس کے لئے ہر قسم کی اِمکانی کوشش کرچکے تھے، مگر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ہر ایک کے پیغام کو معذرت کے ساتھ رد کردیا تھا، اور اس علم کے باوجود کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم غربت وافلاس کی زندگی بسر کررہے ہیں، بذاتِ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیج کر پوری آرزومندی کے ساتھ یہ درخواست کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنی زوجیت میں قبول فرمالیں، تو اس کی وجہ دراصل

یہ تھی کہ خارجی اور داخلی مشاہدات اور کتبِ سماوی کے عالموں کی شہادتوں سے اُن کو اس بات کا کامل یقین ہوگیا تھا کہ روئے زمین پر خداوند قدوس کی طرف سے جو آخری نبی ورسول مبعوث ہونے والے ہیں، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ نبی آخرالزماں اور خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں، جن کا تذکرہ پچھلی تمام آسمانی کتابوں میں موجود ہے اور تمام اَنبیاء علیہم السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی آمد کی بشارت سنائی ہے، چناں چہ نکاح کے بعد وہ برابر اس زمانہ کے متلاشیان راہِ حق اور موحدین، خصوصاً اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل اور زید بن عمرو بن نفیل کے پاس جاتی رہتیں، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمدہ عادت واَطوار اور اَخلاقِ کریمانہ کا تذکرہ کرکے یہ جاننے کی کوشش کرتی رہتی تھیں کہ کیا نبی آخرالزماں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں؟ اور اِس سلسلہ میں وہ نہایت بے چین وبے قرار رہا کرتی تھیں۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں تشریف لائے، تو دیکھتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سینے سے چمٹالیا، اور کہنے لگیں کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان! اِس وقت میں نے یہ عمل صرف اِس لئے کیا ہے کہ مجھے اِس کی پوری اُمید ہے کہ وہ نبی غالباً آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں، جن کی بعثت عنقریب ہونے والی ہے؛ لہٰذا اگر نبی مبعوث آپ ہی کی ذاتِ اَقدس ہے تو میری یہ درخواست ہے کہ آپ میرے حق کو یاد رکھیں، اور اس خدا سے جو آپ کو مقامِ رسالت ونبوت سے سرفراز فرمائے، میرے لئے دعاء کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

خدیجہ! اگر نبی مبعوث میں ہی ہوا، تو اِس بات کا یقین کامل رکھو کہ میں تمہارے احسانات کو کبھی فراموش نہیں کرسکتا، اور جس نبی کی بعثت کا انتظار ہے، وہ میرے علاوہ اگر کوئی اور ہوا، تو بھی تم یقین رکھو کہ جس خدا کو راضی کرنے کے لئے تم یہ اَچھے اور نیک کام کررہی ہو، وہ تمہارے اِن کاموں کے اَجر کو ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ (فتح الباری ۸/۵۲۰)

زبیر بن بکار کی روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بار بار ورقہ بن نوفل کے پاس جاتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کرتیں، تو ورقہ جواب دیتے کہ میرا گمان یہی ہے کہ یہ وہی نبی ہیں جن کے مبعوث ہونے کی بشارت حضرت موسیٰ وحضرت عیسیٰ علیہما السلام نے دی ہے۔ (فتح الباری ۸/۱۱۳)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے نکاح کا پیغام ملنے پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خاص ردوقدح کے بغیر اُسے فوراً قبول فرمالیا، تو اس کی ظاہری وجہ یہ تھی کہ بہت سی خوبیوں کا علم تو پہلے ہی

سے تھا، پھر تجارتی معاملہ میں سابقہ پڑنے کی وجہ سے اُن کی ذہانت وفطانت، تہذیب وشرافت، دل کی مضبوطی اور اَخلاقِ فاضلہ کا مشاہدہ بھی ہو چکا تھا، اور یہ بھی معلوم تھا کہ وہ رسومِ جاہلیت سے متنفر اور نہایت عزم وحوصلہ والی خاتون ہیں۔

بعثت نبوت ورسالت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دل کی جن مخصوص کیفیات سے دوچار تھے، اُن میں آپ کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی جیسی شریک حیات کی ضرورت تھی؛ تاکہ آئندہ پیش آنے والے واقعات وحالات میں وہ پورے طور پر معین ومددگار ثابت ہوں، اور ضرورت پڑنے پر اَپنا سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار کردے، بعض معاندین اسلام کا یہ خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پیغامِ نکاح کو محض اُن کی دولت وثروت کی بنا پر قبول کرلیا تھا، مگر یہ محض دھوکہ اور سفید جھوٹ ہے، تاریخ کے اَوراق اِس بات کے گواہ ہیں کہ نکاح کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنا پورا سرمایہ خود سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈال دیا تھا، مگر کوئی ایک واقعہ بھی اِس کی شہادت نہیں دیتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس مال کو بڑھانے کی کوشش کی، اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے عیش وعشرت میں استعمال کیا؛ بلکہ بقدر ضرورت اکتفاء کرتے ہوئے عادتِ شریفہ کے مطابق یتیموں، بیواؤں، بے کسوں، بے نواؤں اور فقیروں کی اِمداد واِعانت اور اُن کی حاجت برآری کرتے رہے۔

نکاح کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دو تجارتی سفر ضرور کئے، ایسے ہی مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے بقدر ضرورت خرید وفروخت کا معاملہ بھی کرتے رہے، مگر اِس کی طرف کوئی خاص توجہ کی ہو، اور اِس میں اِنہماک اختیار کیا ہو، یہ کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔ (اُمہات المؤمنین ۷۲-۷۵ ملخصاً)

بعثت سے پہلے حضرت خدیجہؓ کا برتاؤ

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جس ذوق وشوق اور فدائیت کے ساتھ حضور اَنور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کیا تھا، اُسے قبل بعثت بھی پوری طرح سے باقی رکھا، چناں چہ نکاح کے معاً بعد ہی اُنہوں نے اَپنے پورے اَثاث البیت کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مالک ومختار بنادیا، ہمہ وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار رہا کرتیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش وخرم رہیں اِس کا پورا خیال رکھتیں، کوئی ایسا کام یا بات نہ کرتیں، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل میلا ہو، اور قلب اطہر پر غبار آجائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہمیشہ دفاع کے لئے تیار رہتیں، چناں چہ کسی معاملہ میں کوئی

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتا تو اس کو بھرپور جواب دیتیں، اور دل جوئی وتسلی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت بڑھادیتیں۔

بعثت ونبوت کا زمانہ جب قریب آ گیا، اور طبعاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلوت وتنہائی محبوب ہوگئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول بن گیا کہ مکہ مکرمہ سے تین میل کے فاصلہ پر واقع جبل نور کے ایک غار ''غارِ حراء'' میں چلے جاتے، اور خالق کائنات کی طرف لَو لگائے اس کی عبادت میں مشغول رہتے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا توشہ تیار رکھتیں، جسے کبھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود ساتھ لے جاتے، اور جب وہ ختم ہوجاتا تو مکہ مکرمہ واپس آتے، اور پھر ''غارِ حراء'' جاتے وقت توشہ ساتھ لے جاتے، اور کبھی جب واپس آنے میں زیادہ تاخیر ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بچی یا حضرت خدیجہؓ خود اُسے پہنچا آتیں، غرض حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ضروریات کا ہر طرح سے خیال رکھتیں، اور خدمت کے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیتیں۔

بعثت کے آثار جب نمایاں طور پر ظاہر ہونے لگے، تو غیر مرئی خوف وگھبراہٹ کے اِنسداد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ مدد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی نے پہنچائی، اور پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت ورسالت سے سرفراز ہوئے ہیں، تو اس وقت سے لے کر اپنی زندگی کی آخری سانس تک اِمداد واِعانت، تسلی وتشفی اور دل جوئی ودل بستگی کا جو کارنامہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انجام دیا ہے، اور جس طرح رفاقت کا حق ادا کیا ہے، وہ تاریخ کا نہایت روشن باب ہے، جس میں کوئی اور اُن کا شریک وسہیم نہیں ہے۔

حضرت اُم المؤمنین کا قبول اِسلام

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نبی آخر الزماں ہیں، آثار وعلامات اور قرائن وشواہد کے ذریعہ اس کا گمان غالب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو پندرہ برس پہلے ہی ہوگیا تھا، ورقہ بن نوفل، زید بن عمرو بن نفیل، اور کئی ایک احبار یہود ورہبانِ نصاریٰ وغیرہ سے اِس کی تائید وتصدیق بھی ہوگئی تھی، مگر اس کا حقیقی ظہور پندرہ برس کی طویل مدت گذرنے کے بعد ہوا، جس طویل مدت کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اُمید وبیم اور نہایت اضطراب وبے قراری کے ساتھ بسر کیا، اور گوہر مقصود کو حاصل کر کے دائمی مسرت وشادمانی سے ہم کنار ہوئیں، یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں داخل ہونے کے پندرہ برس بعد خلاّقِ کائنات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام رسالت ونبوت سے سرفراز فرمایا، اور پھر اِس

سلسلہ کو ہمیشہ کے لئے ختم کر کے خاتم الانبیاء والمرسلین کا خصوصی تمغہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک شانوں پر آویزاں کر دیا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ رسالت ونبوت کا حکم ملا تو اِس فریضہ کی ادائیگی کی ابتداء آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اپنی وفا شعار رفیقہ حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی سے کیا، اور سب سے پہلے اُنہیں کو قبولِ اسلام کی دعوت دی، جسے اُنہوں نے کسی لیت ولعل کے بغیر نہایت اَدب واحترام کے ساتھ فوراً قبول کرلیا، اور کیوں نہ قبول کرتیں کہ وہ تو پندرہ برس کے طویل عرصہ سے انتہائی بے قراری کے ساتھ اِسی کا انتظار کر رہی تھیں، اور آپ کی زوجیت میں داخل ہونے کے وقت سے ہی مؤمنہ صادقہ تھیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے دعوتِ اسلام کو صرف قبول ہی نہیں کیا؛ بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اِمداد واِعانت اور اِسلام کی ترویج واِشاعت کے لئے کمرِ ہمت کس کر اُٹھ کھڑی ہوئیں اور اِس کے لئے ہر قسم کے آلام ومصائب کو سہنے اور آزمائشوں کی بھٹی میں پڑ کر کندن بننے کے لئے فوراً تیار ہوگئیں۔

یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا طرۂ امتیاز ہے کہ اسلام کی دعوت پر سب سے پہلے انہوں نے لبیک کہا، اس راہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر آنے والی پریشانیوں اور دل میں پیدا ہونے والے خطرات کو اپنی تسلی وتشفی کے ذریعہ ختم کرنے کی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکمل طور پر مطمئن کرنے کی پوری جدوجہد کی، جان ومال دونوں کو قربان کیا، اور سب سے پہلی زوجہ مطہرہ اور ''اُم المؤمنین'' بننے کا اعزاز حاصل کیا۔

امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت، نبوت ورسالت اور اس سلسلہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی خدمات کا ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نہایت مفصل اور وضاحت کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔

ام المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کی ابتداء رویائے صادقہ (سچے خوابوں) سے ہوئی، چناں چہ بحالت خواب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ بھی دیکھتے، وہ سپیدۂ صبح کی طرح نمایاں ہوتا (واضح طور پر سامنے آجاتا) پھر خلوت گزینی (تنہائی میں خالق کائنات سے لَو لگائے رکھنا) کی محبوبیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں جاگزیں ہوگئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خورد ونوش کا سامان لے کر غار حراء میں خلوت نشین ہوجاتے، اور کئی کئی روز تک وہیں عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتے، پھر جب کھانے پینے کا سامان ختم ہوجاتا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف

لاتے، اور پھر پہلے ہی کی طرح سامان خورد ونوش لے کر واپس جاتے، اور یادِ الٰہی میں مشغول ہوجاتے، یہاں تک کہ غار حراء کی اِسی خلوت گزینی کے زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حق آ گیا (یعنی وحی الٰہی) چناں چہ فرشتۂ غیب (حضرت جبرئیل علیہ السلام) کی آمد ہوئی اور اس نے آتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اقرأ (پڑھئے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے اس جواب پر فرشتہ نے مجھے پکڑ کر اس قدر زور سے دبایا کہ میری طاقت کی انتہاء کو پہنچ گیا (یعنی میرے لئے ناقابل برداشت ہوگیا) پھر چھوڑ دیا، اور کہا: اقرا (پڑھئے) میں نے جواب دیا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اِس پر پھر اس نے پکڑ کر دوبارہ زور سے دبایا، یہاں تک کہ اُس کا دبانا میری طاقت کی انتہاء کو پہنچ گیا (ناقابل برداشت ہوگیا) پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ: اقرا (پڑھئے) میں نے جواب دیا کہ مجھے پڑھنا نہیں آتا، اس پر اُس نے پکڑ کر تیسری مرتبہ دبایا، پھر چھوڑ دیا اور کہا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ. خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ. (العلق: ۱-۳)

پڑھئے اپنے اُس رب کے نام سے جس نے پوری کائنات کو وجود عطا کیا، اور اِنسان کو جمے ہوئے لہو سے بنایا، اور آپ ﷺ کا پروردگار بڑا کریم ہے۔

کلامِ الٰہی کی مذکورہ آیات کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے، تو جلالِ الٰہی کے غلبہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل کانپ رہا تھا، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ہمدم ودمساز اور غم گسار بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے کمبل اُڑھاؤ، مجھے کمبل اڑھاؤ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کمبل اُڑھایا گیا، یہاں تک کہ خوف وگھبراہٹ کی کیفیت ختم ہوگئی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر پیش آنے والی تمام کیفیات وحالات کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بیان فرمایا، اور بتایا کہ مجھ کو اپنی جان کا خطرہ لاحق ہوگیا تھا، اِس پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم متردد نہ ہوں، ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، خدا آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا؛ کیوں کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، ناتوانوں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں، فقیروں اور بے کسوں کی معاونت کرتے ہیں، مہمان نواز ہیں، اور قدرتی آفات میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں، (تسلی وتشفی کے مذکورہ کلمات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پرسکون کردینے کے بعد) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، ورقہ نے زمانۂ جاہلیت میں دین نصرانیت کو اختیار کرلیا تھا، ''عبرانی'' زبان

سے واقف تھے، ''اِنجیل'' میں سے جو کچھ خدا کو منظور ہوتا اسے ''عبرانی'' میں لکھا کرتے تھے، وہ کافی سن رسیدہ ہو چکے تھے، اور آنکھ کی بینائی جاتی رہی تھی۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اُن سے کہا کہ میرے چچا کے بیٹے! اپنے بھتیجے (حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات سنو! اِس پر ورقہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ بھتیجے! تم کو کیا نظر آتا ہے؟ ورقہ کے پوچھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مشاہدہ کی پوری کیفیت بیان فرمائی، تو ورقہ نے کہا کہ یہ تو وہی ناموس ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا تھا، (یعنی جبرئیل علیہ السلام ہیں) کاش میں اُس وقت تک زندہ رہتا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم آپ کو مکہ مکرمہ سے نکالے گی، اس پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعجبانہ لب ولہجہ میں پوچھا کہ کیا وہ (میری قوم) مجھے (مکہ مکرمہ سے) نکال دے گی؟ تو ورقہ نے جواب دیا کہ ہاں! جب بھی اِس قسم کا پیغام لے کر کوئی کھڑا ہوا، جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں، تو دنیا اس کی مخالفت اور دشمنی پر کمر بستہ ہوگئی ہے، اگر میں اُس وقت تک زندہ رہا (جس وقت کہ پیغامِ خداوندی کی تبلیغ کی پاداش میں لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن بن جائیں گے، اور اپنی ایذا رسانیوں سے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے متبعین کو مکہ مکرمہ چھوڑ دینے پر مجبور کر دیں گے) تو پوری قوت کے ساتھ آپ ﷺ کی مکمل اِمداد واِعانت کروں گا۔

اِس واقعہ کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ورقہ کا انتقال ہوگیا، اور (کچھ عرصہ تک کے لئے) وحی الٰہی کا آنا بھی بند ہوگیا، اور پھر اس کا اجراء اس طرح ہوا کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے جارہے تھے کہ اَچانک آسمان سے ایک آواز سنی، سر مبارک کو اُوپر اُٹھایا، تو دیکھا کہ وہی فرشتہ جو غار حراء میں آیا تھا، آسمان وزمین کے درمیان کرسی بچھائے بیٹھا ہے، اِس منظر کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر خوف طاری ہوگیا، گھر واپس آکر پھر وہی کمبل اڑھانے کی فرمائش کی، (جس کی تعمیل کر دی گئی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کمبل میں لپٹے ہوئے لیٹے تھے کہ سورۂ مدثر کی یہ آیات نازل ہوئیں:

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ. قُمْ فَاَنْذِرْ. وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ. وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ. وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ. (المدثر: ۱-۵)

اے کملی والے کھڑے ہوجایئے، اور لوگوں کو خوف دلایئے، اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجئے، اور اپنے کپڑے پاک رکھئے اور بتوں (کی عبادت وبندگی) سے علیحدہ رہئے۔

سب سے پہلی مؤمنہ اور اوّل معین و مددگار

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جس طرح نبوت ورسالت سے پہلے ہر طرح سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد واعانت کرتی تھیں، اسی طرح نبوت مل جانے کے بعد بھی ہر قسم کی اعانت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی وتشفی کا فریضہ انجام دیتی رہیں، اور دعوتِ اسلام کی راہ میں پیش آنے والی تمام دشواریوں اور رکاوٹوں کو اپنی تائید واعانت سے ختم کرنے کی سعی کرتی رہیں، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم منصب رسالت ونبوت سے سرفراز کردئے گئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا کہ احکاماتِ خداوندی سے آپ اس کے بندوں کو روشناس کرائیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام کی تبلیغ واشاعت کا کام شروع کیا، مگر معدودے چند سعادت مندوں کو چھوڑ کر تمام مشرکین مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن بن گئے، اور درپے آزار ہوکر طرح طرح سے ایذا رسانیوں کا سلسلہ شروع کردیا، حتیٰ کہ اعزہ واقارب نے بھی دشمنی پر کمر کس لی، اور ایذا رسانیوں کی کوشش میں عام مشرکین مکہ کے ساتھ اب ان کی بھی اکثریت شریک تھی، آلام ومصائب کے ان صبر آزما حالات اور امتحان وآزمائش کی ان سخت گھڑیوں میں ایک چچا خواجہ ابوطالب اور دوسرے رفیقہ حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا دو ایسے افراد تھے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غم خوار وغم گسار تھے، اور ہر قسم کی امداد واعانت کے لئے ہمہ وقت تیار رہا کرتے تھے، تمام مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ونبوت پر سب سے پہلے ایمان لائیں، اور سب سے پہلے دین اسلام کی صداقت کی تصدیق کی، ان کے قبول اسلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مصیبت ہلکی کردی، اور اسلام کی تبلیغ واشاعت کی راہ ہموار کردی، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے نکلتے، اور احکاماتِ خداوندی کا حوالہ دے کر کسی کو اسلام کی دعوت دیتے، اور وہ آپ کی تکذیب کرتا، اور قبولِ حق کے بجائے اُلٹا جواب دیتا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت غمگین ہوجاتے، اور اسی غم وحزن کی کیفیت میں جب گھر تشریف لاتے، تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بار بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتیں، اور اپنی تصدیق اور تسلی کے کلمات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رنج وغم کو ہلکا اور دور کردیتیں، وہ مشرکین مکہ کی مخالفتوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس طرح بے وزن بنا کر بیان کرتیں کہ اُن کی کوئی اہمیت اور حقیقت باقی نہ رہ جاتی۔ ○❖○ (جاری)

دنیا میں کیا کیا ہوگا؟

مولانا مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری استاذِ حدیث جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ

یہ دنیا بڑی تیزی کے ساتھ اپنے اختتام تک پہنچ رہی ہے، اگر ہم اپنی زندگی کے گذرے ہوئے مہینوں اور سالوں پر نگاہ ڈالیں، تو ہم اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ جو کام پچھلے دس سالوں یا بیس سالوں میں ہوئے ہیں، آنے والے چند سالوں میں اس سے کہیں زیادہ تغیرات رونما ہوں گے۔ جن چیزوں کا پہلے تصور نہیں کیا جاسکتا تھا آج وہ چیزیں دنیا کے اندر دکھائی دے رہی ہیں، فضاؤں پر انسانوں نے کمند ڈالنی شروع کر دی ہیں، آسمانوں کی سیر کرنے لگے ہیں، چاند تک رسائی حاصل کی جارہی ہے، سورج تک انسان اپنی عقلی صلاحیت کے ذریعہ جو اللہ نے اسے دی ہے پہنچ چکا ہے، ریسرچ ہورہی ہیں اور تحقیقات یہ بتاتی ہیں کہ سینکڑوں انسانوں نے کروڑہا کروڑ روپئے لگا کر فضا میں اپنے فلیٹ، اپنی زمین، اپنے مکانات بک کرالیے ہیں، جن چیزوں کا بظاہر ابھی کوئی وجود دکھائی نہیں دیتا، پیسے اس میں بھی لگائے جارہے ہیں حالانکہ یہ ایسا سفر ہے کہ جہاں سے واپسی کی کوئی گارنٹی ابھی تک سائنس نے نہیں لی ہے کہ وہاں جائے گا تو واپس بھی آجائے گا۔ ان تمام موہوم اور غیر یقینی چیزوں کے باوجود جن لوگوں کے پاس پیسوں کی بہتات ہے وہ ایک فیصد نفع کی توقع پر کروڑہا کروڑ روپئے لگا رہے ہیں، دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی اور کہاں سے کہاں پہنچ جائے گی، آنے والے سالوں میں جو تبدیلیاں، جو تغیرات اس دنیا میں رونما ہوں گے ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے؛ لیکن جس تیزی کے ساتھ دنیا کے حالات بدل رہے ہیں اسی تیزی کے ساتھ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپ کی رسالت ونبوت کی حقانیت پر ایمان والوں کا یقین بڑھتا چلا جارہا ہے۔ اللہ نے آپ کو وہ نگاہ اور دوراندیشی عطا فرمائی تھی کہ آپ نے ایسی ایسی باتیں دنیا کے سامنے بیان فرمائیں کہ دنیا جو کروٹ بھی لے لے، حضور پاک علیہ السلام کی ہدایات میں اس کے آثار اور اس کی علامات دکھائی دیں گی، اور اس طرح کی احادیث جب دنیا کے سامنے آئیں گی تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت اور نبوت کی حقانیت اور آپ کے عظمت وتقدس پر بھی یقین مزید پختہ ہوگا۔

مثلاً ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ انھوں نے پیغمبر علیہ السلام سے قیامت کی علامت کے متعلق دریافت کیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ''ان للساعات علامات'' کہ قیامت کی بہت سی نشانیاں ہیں، جب وہ نشانیاں دنیا کے اندر ظاہر ہونی شروع ہوجائیں گی تو اب یہ سمجھ لینا کہ دنیا کا بوریہ بستر لپیٹا جارہا ہے اور یہ نظام درہم برہم ہونے کے قریب ہوتا چلا جارہا ہے۔

اَولاد غم کا باعث ہوگی

پہلی علامت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمائی:

اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يَّكُوْنَ الْوَلَدُ غَيْظًا. (المعجم الكبير للطبرانی ۲۲۹/۱۰)

قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اولاد غم وغصے کا باعث ہوگی۔

صحابہ کرام کو تعجب ہوا کہ یارسول اللہ! اولاد کا وجود والدین کے لیے غیظ وغضب اور غصے کا ذریعہ اور باعث کیسے ہوگا؟ ماں کی بھی آرزو ہوتی ہے کہ اس کی گود بھرے اور باپ کی بھی یہ تمنا ہوتی ہے کہ کوئی اس کا جانشین ہو، جو اس کی نسل کو آگے بڑھانے والا ہو، صحابہ کرام تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ والدین کے لیے اولاد کا وجود غیظ وغضب کا اور غصے کا سبب بن سکتا ہے لیکن جب آج کی دنیا پر ہم نگاہ ڈالتے ہیں تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیان کی ہوئی قیامت کی یہ نشانی انسانی معاشرے کے اندر صاف دکھائی دیتی ہے، حضرات محدثین حدیث کے اس جملے کی تشریح کرتے ہوئے دو باتیں ارشاد فرمائیں:

(۱) اولاد کا والدین کے لیے غیظ وغضب کا باعث ہونے کی ایک شکل یہ ہوگی کہ والدین کم سے کم اولاد چاہیں گے، اور کثرت اولاد کو اپنے لیے باعث غضب تصور کریں گے، اچھا نہیں سمجھیں گے۔ آج آپ دیکھ لیجیے کہ دنیا میں کیا نعرہ ہے؟ پہلے تو یہ کہا جاتا تھا ''ہم دو اور ہمارے دو'' اب تو ''ہم دو ہمارا ایک ہی رہ گیا'' ساری دنیا کے اندر اس نظریے کو عام کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور طرح طرح سے لوگوں کے ذہنوں کو متاثر کیا جارہا ہے، یہی وجہ ہے کہ خاص طور سے جو پڑھا لکھا طبقہ ہے اس کے ذہن میں تو یہ بات اس طرح بیٹھ گئی ہے کہ نکلتی ہی نہیں کہ جتنے بچے کم ہوں گے اتنی ہی اچھی میں ان کی تربیت کرلوں گا، اور کفالت کرلوں گا، اچھا کھلا دوں گا، اچھا پلا دوں گا، یاد رکھئے ہمارے اور آپ کے بس میں تو ایک چیونٹی کو کھلانا بھی نہیں، بچوں کو کھلانا تو دور کی بات ہے، اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ایک بچے کو اچھی طرح کھلا

لیں گے، پلا لیں گے تو یہ ہماری خام خیالی اور غلط فہمی ہے، ہم خود اپنے کو نہیں کھلا سکتے ،دوسرے کو کیا کھلائیں گے، جو ذی روح بھی اس دنیا کے اندر آتا ہے وہ اپنی روزی لے کر آتا ہے، کتنے دن اس کو رہنا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ پورا چارٹ اس دنیا میں اتار دیتے ہیں۔ ہم اور آپ تو ذریعہ بنتے ہیں، مسبب الاسباب تو باری تعالیٰ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ''. (الانعام: ۱۵۱) ہم تمہیں بھی روزی دینے والے ہیں اور انہیں بھی روزی دینے والے ہیں۔ بہر حال دنیا میں پائے جانے والا موجودہ تصور جو ہمارے ذہنوں کے اندر بیٹھا ہوا ہے، سراسر غیر اسلامی تصور ہے اگر اللہ نے صحت کی دولت سے مالا مال فرمایا ہے اور آسانی اور سہولت کے ساتھ نسل کا یہ سلسلہ قائم رہ سکتا ہے تو اس میں کسی حیلے کو اختیار نہ کرنا چاہیے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ''اِنِّیْ مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْاُمَمَ'' (مسند احمد ۱۹۰۹۳) کہ میں تمہاری کثرت تعداد کی وجہ سے دیگر امتوں پر فخر کروں گا کہ میرے ماننے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے، اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ کسی اور نبی کو ماننے والوں کی تعداد اتنی بڑھی ہوئی نہیں ہے۔

(۲) دوسرا مطلب حضرات محدثین نے یہ بیان فرمایا کہ اولاد اتنی نافرمان ہو جائے گی، ماں باپ کا اتنا دل دکھانے لگے گی کہ وہ اپنی اولاد کے کرتوت کی وجہ سے خون کے آنسو رونے لگیں گے، خاندان اور برادری میں منھ دکھانے کے لائق نہیں رہیں گے اور اولاد کی نافرمانی سے تنگ آکر یہ بھی کہنے لگیں گے کہ کاش! یہ ہمارے گھر ہی نہ آتا، اس نے تو ہماری عزت کو خاک میں ملا دیا، ہماری مٹی پلید کر دی، ہمارے خاندان پر بدنما داغ لگا دیا، اولاد کی نافرمانی اتنی زیادہ ہوگی کہ وہ والدین کے لیے بوجھ بن جائیں گے، آج دنیا کے اندر یہ چیز بھی بالکل نمایاں دکھائی دے رہی ہے، گھر گھر سے یہ شکایت سننے کو ملتی ہے کہ بچے، عام طور پر لڑکے اور بعض گھرانوں سے لڑکیوں کی بھی شکایتیں ہیں، وہ اپنی من مانی کرتے ہیں، ماں باپ کی باتیں ان کی سمجھ میں نہیں آتیں، اور جب بچہ بڑا ہو جاتا ہے تو والدین سختی کرتے ہوئے بعض مرتبہ احتیاط برتتے ہیں کہ اگر ہم نے سختی کی اور اس نے غصہ میں آکر کوئی اور قدم اُٹھا لیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ گھٹتا رہتا ہے، والدین کا دل روتا رہتا ہے لیکن ان کو قابو میں کرنا بس میں نہیں رہتا، یہی وہ چیز ہے جس کو بوجھ کہا گیا، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جس زمانہ میں یہ بات ارشاد فرمائی تھی صحابہ کرام اس زمانہ میں اس چیز کو سوچ بھی نہیں سکتے تھے، لیکن آج یہ چیزیں دنیا کے اندر بالکل عام ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے والدین کے دلوں کی ٹھنڈک بنائے، بہت بڑی دولت کا حاصل کرنے والا ہوگا وہ

انسان جو اطاعت و فرمانبرداری کر کے اپنے والدین کا دل جیت لے اور ان کی دعائیں لے لے، پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک روایت میں ارشاد فرمایا:

دُعَاءُ الْأَبِ لابْنِهِ كَدُعَاءِ النَّبِيِّ لأُمَّتِهٖ (فیض القدیر للمناوی، الجامع الصغیر للسیوطی)

ماں باپ کی دعا اپنے بچوں کے حق میں اسی طرح قبول کی جاتی ہے جیسے ایک نبی کی دعا اپنے امتی کے حق میں مقبول ہوتی ہے۔

اللہ کا جلیل القدر نبی بارگاہ ربی میں اگر اپنے کسی گنہ گار امتی کے لیے سفارش کرے گا تو اللہ تعالیٰ رد نہیں فرمائیں گے، یقینی طور پر آپ کی وہ سفارش امتی کے حق میں قبول ہوگی، پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ والدین میں سے کوئی بھی اگر اپنے بچوں کے حق میں دعا کرے گا، تو اللہ کی نگاہ میں وہ دعا رد نہیں کی جائے گی۔ کیا کیا ثواب اللہ تعالیٰ نے والدین کی اطاعت اور فرمانبرداری میں رکھے ہیں سوچا بھی نہیں جا سکتا، ایک مرتبہ محبت کی نگاہ ڈال لے تو حج مقبول کا ثواب عطا کر دیا جاتا ہے، دو مرتبہ ڈالے تو دو مرتبہ، تین مرتبہ ڈالے تو تین مرتبہ۔

عن ابن عباسؓ أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال: مَا مِنْ وَلَدٍ يَنْظُرُ إِلٰى وَالِدَيْهِ نَظْرَةً رَحْمَةً إِلَّا كَتَبَ اللهُ لَهٗ لِكُلِّ نَظْرَةٍ حَجَّةً مَبْرُوْرَةً قَالُوْا وَ إِنْ نَظَرَ كُلَّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةً قَالَ: نَعَمْ، اللهُ أَكْبَرُ وَ أَطْيَبُ (شعب الإيمان للبيهقي ح:۷۸۵۹)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: والدین کا جو فرمانبردار بچہ اپنے والدین کی طرف رحمت کی نظر سے دیکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر نظر کے بدلے ایک حج مبرور کا ثواب لکھ دیتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا اگر چہ وہ ہر روز سو مرتبہ اپنے والدین کو دیکھے؟ آپ نے فرمایا ہاں اگر چہ وہ سو مرتبہ دیکھے۔ اللہ تعالیٰ تو سب سے بڑا اور پاکیزہ ہے

والدین کو خوش کئے بغیر اللہ کو خوش نہیں کیا جا سکتا۔ اگر والدین کے دلوں کو کسی نے دکھا رکھا ہے تو لاکھ نمازیں پڑھ لے، روزے رکھ لے، صدقہ دے لے، زکوٰۃ دے لے، دوسروں کے ساتھ چاہے جیسے اخلاق سے پیش آجائے لیکن اللہ کو وہ اپنا نہیں بنا سکتا۔

عن ابن عمرؓ أنه قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم :رِضَى الرَّبِّ فِيْ

نبیٔ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں والدین کی رضامندی میں اللہ کی رضامندی مضمر اور

رِضَى الْوَالِدِ وَ سُخْطُ الرَّبِّ فِيْ سُخْطِ الْوَالِدِ (سنن ترمذی ح: ۱۸۹۹، مجمع الزوائد معزوا الی البزار حدیث رقم ۱۳۳۸۹)

پوشیدہ ہے اور والدین کی ناراضگی میں اللہ کی ناراضگی مضمر اور پوشیدہ ہے۔

قرآن کریم میں جابجا والدین کی اطاعت وفرمانبرداری کا ان کے دل کو جیتنے کا اور ان کی خدمت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان تمام چیزوں کے باوجود اگر کوئی لڑکا والدین کے ساتھ توہین آمیز برتاؤ کرتا ہے ان کے دلوں کو دکھاتا ہے تو وہ اپنی اس دنیا کو بھی برباد کرنے والا ہے اور اگر توبہ نہیں کرے گا تو آخرت کو بھی برباد کرنے والا ہوگا۔ حضور پاک علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے قریب ہونے کی جو نشانیاں ہوں گی ان میں سے ایک نشانی یہ ہوگی کہ انسان اپنی بیوی کی ہاں میں ہاں ملانے والا ہوگا اور ماں کی باتوں کو نظر انداز کرنے والا ہوگا، دوستوں کے ساتھ دوستی گانٹھنے والا ہوگا اور باپ کے ساتھ ظلم وجور کا معاملہ کرنے والا ہوگا۔

عن علي بن ابي طالبؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم أَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَهُ وَ عَقَّ أُمَّهُ وَ بَرَّ صَدِيْقَهُ وَ جَفَا أَبَاهُ (سنن ترمذی حدیث ۲۱۳۶)

حضرت علی ابن طالبؓ ارشاد فرماتے ہیں: نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا جب مرد اپنی بیوی کا کہا مانے اور ماں سے بدسلوکی کرے، دوست سے وفاداری اور باپ سے بے وفائی کرے (اس وقت سرخ آندھی، زمین میں دھنسنے یا شکلوں کے بگڑ جانے کا انتظار کرنا چاہیے)

بعض بدنصیب تو ایسے بھی ہوتے ہیں جو مال کے لالچ میں، جائیداد کی لالچ میں اپنے مجازی رب باپ کو قتل کرنے سے بھی نہیں چوکتے، جان سے مار دیتے ہیں کہ یہ جائے تو جائیداد ہمارے حصے میں آئے گی، اخبارات میں وقتاً فوقتاً اس طرح کی خبریں پڑھنے کو ملتی رہتی ہیں کہ ایک بدنصیب بیٹے نے اپنے باپ کے ساتھ یہ سلوک کیا، اولاد کی تو یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے والدین کے ساتھ بہترین برتاؤ کرنے والا ہو ثواب اس کو مل کر رہے گا چاہے والدین اس پر ظلم وزیادتی بھی کر رہے ہوں، حق تلفی بھی کر رہے ہوں پھر بھی اولاد کو یہ اجازت نہیں کہ وہ والدین کے حق میں کسی طرح کی گستاخی کرے، صحیح ہے کہ اگر وہ ظلم بھی کر رہے ہیں تو ان کو اپنے ظلم کا بدلا ملے گا، آخرت میں چکانا پڑے گا وہ بچوں کی حق تلفی کریں گے تو اللہ کی بارگاہ میں ان کو جواب دینا پڑے گا لیکن بچوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ تم ظلم کو سہتے رہو،

حق تلفیوں کو برداشت کرتے رہو ماں کو ماں سمجھ کر باپ کو باپ سمجھ کر ان کی عظمت واحترام اپنے دل کے اندر رکھو، اللہ تمہیں وہ عزتیں عطا فرمائیں گے کہ جن کو تم سوچ بھی نہیں سکتے، تمہارا معاملہ اگر تمہارے والدین کے ساتھ اچھا ہوگا تو تمہارے بچے تمہارے ساتھ اچھا معاملہ کریں گے اور اگر تمہارا معاملہ والدین کے ساتھ خراب ہوگا تو جب تک تمہارے بچے وہ خراب معاملہ تمہارے ساتھ نہیں کرلیں گے تب تک دنیا سے نہیں جاؤ گے۔ تجربہ یہی بتاتا ہے کہ جو جیسا کرتا ہے ویسا ہی پاتا ہے، خاص طور سے والدین کی حق تلفی یہ ایک ایسا جرم ہے کہ جس کی سزا کے اثرات دنیا کے اندر بھی ظاہر ہوتے ہیں، آخرت میں جو ظاہر ہوں گے وہ اپنی جگہ ہیں۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں:

عن ابی بکرۃؓ أنه قال قال رسول الله صلی الله علیه و سلم کُلُّ الذُّنُوْبِ یَغْفِرُ اللّٰهُ مِنْهَا مَا شَاءَ اِلَّاعُقُوْقَ الْوَالِدَیْنِ فَاِنَّهٗ یُعَجَّلُ لِصَاحِبِهٖ فِی الْحَیَاةِ قَبْلَ الْمَمَاتِ (شعب الإیمان للبیهقی باب برالوالدین ۲۰۲/٦)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا والدین کی نافرمانی کے علاوہ اگر اللہ چاہے سارے گناہ معاف کردے (سوائے شرک کے) جب کہ والدین کے نافرمان کو موت سے پہلے دنیا ہی میں عذاب میں مبتلا کردیا جاتا ہے۔

عن جابرؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه و سلم بِرُّوْا اٰبَاءَ کُمْ تَبِرُّکُمْ أَبْنَاءَ کُمْ (المعجم الأوسط للطبراني ح: ۱۰۰۲، مجمع الزوائد ح: ۱۳٤۰۳)

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: اپنے والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو، تمہاری اولاد تمہارے ساتھ اچھا معاملہ کرے گی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب والدین کی اطاعت اور فرمانبرداری کا ثواب اور اجر بیان کیا تو بعض لوگوں نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ جن کے والدین حیات نہ ہوں وہ کیا کریں، وہ کیسے اس اجر و ثواب کو حاصل کریں تو آپ نے اس کا بھی طریقہ بتایا کہ تم ان کو ایصال ثواب کرتے رہو اور جو تمہارے مرحوم ماں باپ کے متعلقین واحباب ہیں، ان کے ساتھ حسن سلوک کرو، تمہارے ماں باپ کی روح خوش ہوگی اور اللہ تمہیں اجر وثواب عطا فرمائے گا۔

بارشیں شدت گرمی کا سبب بنیں گی

(۲) دوسری علامت آپ ﷺ نے ارشاد فرمائی: ”اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يَّكُوْنَ الْمَطَرُ قَيْظًا“ (المعجم الکبیر للطبرانی ۲۲۹/۱۰) قیامت کی علامات اور نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہوگی کہ بارش ہوگی لیکن بارش کے باوجود موسم کے اندر تبدیلی نہیں آئے گی، ماحول گرم ہی رہے گا، اور پیداوار جتنی ہونی چاہیے تھی، اتنی نہیں ہوگی۔ یہ صورت حال بھی دنیا میں دیکھنے کو ملتی ہے، کہ بارشیں ہوتی ہیں لیکن بارشوں کے موسم کے جو اثرات مرتب ہونے چاہیے تھے وہ نہیں ہوتے، حالات بدل رہے ہیں، دنیا کروٹ لے رہی ہے اور اپنی اس منزل کی طرف جارہی ہے جہاں اس کو پہنچ کر اختتام ہونا ہے۔

شریر لوگوں کا دور دورہ ہوگا

(۳) پھر تیسری چیز آپ ﷺ نے ارشاد فرمائی: إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يَفِيْضَ الْاَشْرَارُ فَيْضًا (المعجم الکبیر للطبرانی ۲۲۹/۱۰) قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہوگی کہ دنیا میں شریر لوگوں کا دور دورہ ہوگا، فتنہ پرور لوگوں کا راج ہوگا اور دنیا کے ہر خطے کے اندر نمایاں وہی لوگ دکھائی دیں گے جو انسانیت کی صفوں میں حیوانیت، درندگی اور بھیڑئے پن کا مظاہرہ کرنے والے ہوں گے، دیکھنے میں تو انسان ہوں گے لیکن ان کی حرکتیں ایسی ہوں گی کہ دیکھ کر حیوان اور درندے بھی شرمائیں۔ شر پسند لوگ دنیا کے اندر بڑھتے چلے جائیں گے، ہر طرف انہی کا بول بالا ہوگا، انہی کی پکڑ ہوگی، انہی کا کام بنتا ہوگا اور وہی دنیا کو ادھر سے ادھر لے جارہے ہوں گے، صحابہ کرام کے دور میں جب امت کے اندر سو فیصد نمازی تھے، اگر کوئی کسی ایک وقت نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں نہیں آپاتا تھا تو یہ چرچے ہونے لگتے تھے کہ کہیں ہمارا ساتھی منافق تو نہیں ہوگیا،، اس زمانے میں حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد گرامی صحابہ کی سمجھ میں نہیں آسکا کہ یہ کیسے ہوگا کہ ہر طرف شریر، بددیانت، خیانت کرنے والے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو پامال کرنے والے ہوں گے، لیکن آج کی دنیا میں آنکھیں کھولنے والا انسان پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہدایات کی روشنی میں صورت حال کا آسانی کے ساتھ مشاہدہ کرسکتا ہے۔

قوم کی قیادت منافقوں کے ہاتھ میں ہوگی

(۴) پھر چوتھی چیز آپ نے ارشاد فرمائی: إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يَّسُوْدَ كُلَّ قَبِيْلَةٍ

مُنَافِقُوْهَا (المعجم الکبیر للطبرانی ۲۲۹/۱۰) کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہوگی کہ ہر قوم و برادری اور ہر قبیلہ اور خاندان کی قیادت کرنے والے لوگ وہ ہوں گے جو پوری قوم کے اندر سب سے بڑے فاسق و منافق، سب سے بڑے بددیانت ہوں گے، وہی قبیلے کی، خاندان کی، برادری کی قیادت کررہے ہوں گے، رہنمائی کررہے ہوں گے، جب کسی قوم کا پیشویٰ ہی بگڑ جائے، انجن ہی غلط راستے پر چلنے لگے تو ڈبے تو خود بخود غلط راستے پر چلے جائیں گے، ہم نے دنیا میں ظاہری طور پر جن کے ہاتھوں میں اپنی ڈور دے رکھی ہے اگر وہ اللہ کے حکم پر عمل کرنے والے نہیں، نبی کے طریقے پر چلنے والے نہیں تو یہ ہمیں کہاں لے کر جائیں گے، کس کھائی کے اندر گرادیں گے، کچھ کہا نہیں جاسکتا ہے۔

بازاروں میں بے ایمان لوگ حاوی ہوجائیں گے

(۵) پانچویں چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی: **إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يَّسُوْدَ كُلَّ سُوْقٍ فُجَّارُهَا** (المعجم الکبیر للطبرانی ۲۲۹/۱۰) کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہوگی کہ تمام بازاروں کے اوپر جھوٹوں کا، بددیانتوں کا، خائنوں کا، فاجر و فاسق لوگوں کا دبدبہ ہوگا، مٹھی بھر لوگوں نے کاروبار، تجارت اور اسباب معیشت کو اس انداز میں جکڑ لیا ہوگا کہ دنیا کے کسی کونے میں اگر کسی چیز کی قیمت متعین کرنی ہے تو جو وہ چاہیں گے قیمت متعین کریں گے۔ انسان احتجاج کرتا رہے، مہنگائی کی وجہ سے اپنے سروں کو دیوار پر مارتا رہے، بھوک ہڑتالیں کرتا رہے لیکن جن سے وہ احتجاج کرتا ہے، ان کے بس میں بھی نہیں ہوتا قیمتوں کو نیچا کرنا، کیونکہ ان کی ڈور بھی کسی اور کے ہاتھ میں ہے جہاں سے ان کو ظاہری طور پر دانا پانی آتا دکھائی دے رہا ہے۔ جو مرکز کے اوپر بیٹھے ہوئے ہیں جنھوں نے ساری معیشت کے نظام کو اپنے ظالمانہ پنجوں کے اندر جکڑ رکھا ہے، غریب، مظلوم عوام کے خون پسینے کی کمائی کو وہ اپنے عیش و عشرت کی نذر کررہے ہیں، وہ نظام کو اپنے قبضے میں لیے ہوئے ہیں اور بازاروں پر ایسے ہی لوگوں کا قبضہ ہے۔

❍❖❍

ضروری اعلان

ندائے شاہی سے متعلق دفتری اوقات میں صرف درج ذیل نمبر پر رابطہ کریں:

09410865194

دفتری اوقات : صبح 8 تا 12 ـــــ شام : 3 بجے تا 5 بجے

اِسلام میں عورت کا مقام ومرتبہ

مولانا مفتی محمد سلیمان رام پوری اُستاذ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

دین اِسلام وہ دین ہے جس نے عورت کو اس کے کھوئے ہوئے حقوق واپس دلائے، اُسے عزت وتکریم کا مستحق قرار دیا، اس کے ناموس کی حفاظت کی، اس پر روزی کا کمانا فرض نہیں کیا؛ بلکہ وہ بیٹی ہے تو باپ کا فرض ہے کہ وہ بیٹی کو روٹی کھلائے، اگر بہن ہے تو بھائی کی ذمہ داری ہے کہ کما کر لائے اور بہن کے کھانے کا انتظام کرے، اگر بیوی ہے تو خاوند کا فرض ہے کہ وہ ضروریاتِ زندگی کا اِنتظام کرے اور بیوی کو گھر میں بٹھا کر اُس کی تمام ضروریات پوری کرے، اِسلام نے عورت کے سر پر یہ بوجھ ہرگز نہیں ڈالا کہ پہلے تمہیں کمانا ہے اور پھر اِس کے بعد کھانا ہے؛ بلکہ یہ ذمہ داری اُس کے قریبی مردوں مثلاً باپ، بھائی، شوہر اور بیٹوں کو سونپ دی کہ تم کو کمانا بھی ہے اور گھر کی عورتوں کو کھلانا بھی ہے، عورت گھر کی ملکہ بن کر رہے گی۔

اِسلام سے پہلے عورت کی حیثیت

تاریخ عالم پر نظر ڈالنے سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اِسلام سے پہلے دنیا کے مختلف معاشروں میں عورت کے حقوق کو پامال کیا جاتا تھا، عورت کو اس کا جائز مقام بھی نہیں دیا جاتا تھا، اگر چوان عورت کا شوہر مرجاتا تھا تو اُس کو بدبخت سمجھا جاتا تھا، حتیٰ کہ شوہر کی لاش کے ساتھ اُس کو جلا دیا جاتا تھا، یعنی عورت ''ستی'' ہوجایا کرتی تھی، اگر کوئی عورت ایسا نہ کرتی تو معاشرہ میں اُس کو حقارت کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا، ملک عرب میں اِسلام سے پہلے عورت کے حقوق کو اِس قدر پامال کیا جاتا تھا کہ لوگ اَپنے گھر میں بیٹی کا پیدا ہونا عار اور شرم کی بات سمجھتے تھے، مگر اِسلام نے اِن باتوں سے سختی کے ساتھ منع کیا اور اُن کو حرام قرار دیا، جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

اِسلام سے قبل دورِ جاہلیت میں عورتوں کی دُرگت اور مادّی اعتبار سے موجودہ ترقی یافتہ دور میں عورتوں کی بے عزتی الامان والحفیظ۔ آج کی ترقی یافتہ دنیا اور اُس کی چمک نے عورتوں کو ترقی اور آزادی

کے نام پر اِس طرح رسوا اور سرعام اِس قدر ننگا کر دیا ہے کہ حیوانیت اور شہوانیت کے بھیانک سیلاب میں اِنسانیت اور شرافت ہچکولے کھارہی ہے۔ اِنسانیت کے دشمنوں نے عورتوں کو سافٹ ٹارگیٹ سمجھ کر اُن کا خوب استعمال کیا ہے، پیسے کا لالچ دے کر ہر شعبۂ زندگی میں اُنہیں اُتار دیا ہے، آج وہ دنیا کی سب سے سستی چیز ہے جسے ننگا یا اَدھ ننگا کر کے اَجنبی مردوں کے درمیان گھروں میں خادماؤں کی شکل میں، آفسوں میں کلرک کی شکل میں، ہوائی جہازوں میں میزبانوں کی صورت میں، اِسی طرح اَجنبی بالغ لڑکوں کی معلمات اور فلموں اور ڈراموں میں اَدا کاراؤں کی شکل میں اور قیمتی تجارتی اشیاء سے لے کر ماچس کی ڈبیا تک پر خوب صورت عورتوں کی عریاں ونیم عریاں تصویریں چھاپ کر عورتوں کی عفت وعصمت اور اس کی نسوانیت کو آج کی ماڈرن دنیا نے جس طرح رسوا کیا ہے، دورِ جاہلیت میں بھی ایسی سنگین اور بھیانک حالت نہیں پائی جاتی تھی، نتیجہ یہ ہے کہ آج دنیا شر وفساد اور اخلاقی انارکیوں اور بے چینیوں کی آماج گاہ بن چکی ہے۔

عورت کا مقام قرآن وحدیث کی روشنی میں

اِسلام سے قبل زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کے ساتھ ناانصافی اور موجودہ ترقی یافتہ دور میں عورتوں کی بے عزتی کے مقابلہ میں اِسلام نے جو عزت وعظمت عورتوں کو عطا کی ہے، اس کی تھوڑی سی جھلک ملاحظہ کی جائے:

اِنسان ہونے میں مرد اور عورت دونوں برابر:

اسلام کی نظر میں مرد اور عورت پیدائشی لحاظ سے دونوں ایک ہی اَصل اور بنیاد سے تعلق رکھتے ہیں، اِنسانیت کے حوالہ سے مرد اور عورت دونوں برابر ہیں، کسی کو کسی پر فوقیت حاصل نہیں۔ قرآنِ کریم میں ہے:

یٰٓـاَیُّهَـا النَّـاسُ اتَّـقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً، وَاتَّقُوْا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ، اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا. (النساء: ۱)	اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، اور اُسی سے اُس کی بیوی کو پیدا کر کے اُن دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں، اس اللہ سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے مانگتے ہو، اور رشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو، بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔

نیک کام کی بنیاد پر دونوں ہی عزت کے مستحق:

دوسری بات جو مرد وعورت کے درمیان مشترک (ملی جلی) پائی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ اِیمان اور عمل صالح جس طرح مردوں کے لئے دنیا میں پاکیزہ زندگی اور آخرت میں عذاب سے نجات (چھٹکارہ) کا ذریعہ ہیں، اِسی طرح عورتوں کے لئے بھی باعث سعادت اور فلاح ونجات کا ذریعہ ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً. (النحل: ۹۷)

جو کوئی اَچھا کام کرے مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان والا ہو، ہم اس کو ضرور بالضرور پاکیزہ زندگی عطا کریں گے۔

یعنی جس طرح مرد حضرات نیکی اور عبادت کر کے اللہ رب العزت کے نیک بندے بن سکتے ہیں، اور پرسکون پاکیزہ زندگی حاصل کر سکتے ہیں، اِسی طرح عورتیں بھی نیکی اور عبادت کے ذریعہ اللہ کی نیک بندی بن سکتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کے لئے بھی اِسی طرح پاکیزہ اور پرسکون زندگی کا وعدہ کیا گیا ہے، جس طرح مردوں سے کیا گیا ہے، اس میں مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّىْ لَا اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى، بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ. (ال عمران: ۱۹۵)

سو ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمالی کہ تم میں سے کسی (نیک) کام کرنے والے کے کام کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت میں ہرگز ضائع نہیں کرتا، تم آپس میں ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔

یعنی عورت مرد سے اور مرد عورت سے ہے، اور کسی کا کوئی عمل ضائع نہیں ہوتا، عمل کرنے والا خواہ مرد ہو یا عورت، پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، دونوں کے لئے یکساں قانون ہے، اور نیک کام کی بنیاد پر دونوں ہی عزت اور احترام کے مستحق ہیں۔

نیز عورت کے مقام کو یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک لمبی سورت عورتوں کے نام سے ''سورۃ النساء'' قرآنِ کریم میں نازل ہوئی ہے، جو عورتوں کے مسائل کا حل پیش کرتی ہے۔

جزا اور سزا میں دونوں کے لئے یکساں قانون:

تیسری بات یہ ہے کہ جس طرح مرد حضرات عبادتوں کے پابند ہیں، اور احکام کی بجا آوری پر اَجر

وثواب کے مستحق قرار دئے گئے ہیں، اور گناہ کے کام کرنے پر سزاؤں کے مستحق ہیں، اسی طرح عورتیں بھی عبادتوں کی پابند ہیں، اور احکام کی بجا آوری پر اَجر وثواب کی مستحق اور گناہ کے کام کرنے پر سزا پانے کی اہل ہیں۔ معلوم ہوا کہ اجر وثواب اور جرم وسزا کے معاملہ میں شریعت اسلامیہ نے مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا ہے۔ اِرشادِ ربانی ہے:

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصَّادِقِيْنَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِيْنَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصَّآئِمَاتِ وَالْحَافِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَالذَّاكِرَاتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَاَجْرًا عَظِيْمًا. (الاحزاب: ۳۵)

بے شک اِسلام کے کام کرنے والے مرد اور اِسلام کا کام کرنے والی عورتیں اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں اور فرماں برداری کرنے والے مرد اور فرماں برداری کرنے والی عورتیں اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور بکثرت خدا کی یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں اُن سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اَجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

عورتوں کی عزت وعصمت کی حفاظت اور فرمانِ الٰہی:

ارشادِ خداوندی ہے:

قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ. وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا. (النور: ۳۰-۳۱)

مسلمان مردوں سے کہو کہ اَپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ اُن کے لئے زیادہ پاکیزگی کی بات ہے، بے شک لوگ جو کچھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سب سے خبر دار ہے۔ اور مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں، سوائے اس کے جو ظاہر ہے۔

قرآنِ کریم نے اِس طرح کے اَحکام میں مرد اور عورت دونوں میں کوئی امتیاز نہیں رکھا ہے۔ آج اگر صرف اس حکم پر عمل ہوجائے تو دنیا سے فحش کاری، زنا اور اس سے متعلق تمام جرائم کا دروازہ ہی بند ہوجائے گا۔

اِسلام میں لڑکی کو منحوس سمجھنا حرام ہے:

اِسلام نے عورتوں اور لڑکیوں کو منحوس سمجھنے اور بچیوں کی پیدائش پر غمگین اور رنجیدہ ہونے کو- جیسا کہ قدیم جاہلیت میں تھا اور آج کے ماڈرن دور میں بھی یہ خوب دیکھنے میں آرہا ہے- حرام قرار دیا ہے؛ بلکہ آج کے اِس ترقی یافتہ دور میں تو لڑکی کے دنیا میں آنے سے پہلے ہی اُس کے خلاف قتل کا منصوبہ تیار ہوچکا ہوتا ہے، اور ماں کے پیٹ ہی میں قتل کرکے دنیا میں آنے کا حق اس سے چھین لیا جاتا ہے۔

قرآنِ کریم میں ہے:

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيْمٌ. يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْءِ مَا بُشِّرَ بِهِ اَيُمْسِكُهُ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ. (النحل: ۵۸-۵۹)

ان میں سے جب کسی کو لڑکی (پیدا ہونے) کی خبر دی جائے تو اُس کا چہرہ سیاہ ہوجاتا ہے، اور دل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے، اس بری خبر کی وجہ سے لوگوں میں چھپا چھپا پھرتا ہے، (سوچتا ہے کہ) کیا اُس کو ذلت کے ساتھ لئے ہوئے ہی رہے، یا اُسے مٹی میں دبادے، آہ کیا ہی برے فیصلے کرتے ہیں لوگ۔

لڑکیوں کا قتل سنگین جرم:

لڑکیوں کو زندہ زمین میں دفن کردینے کو انتہائی گھناؤنا فعل، نہایت بری حرکت اور سنگین جرم قرار دیتے ہوئے قرآنِ کریم نے اعلان کیا:

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ. بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ. (التکویر: ۸-۹)

اور جب زندہ زمین میں گاڑی گئی لڑکی سے سوال کیا جائے گا کہ وہ کس گناہ کی وجہ سے قتل کی گئی۔

یہ سوال میدانِ محشر میں اُس وقت ہوگا جب تمام اِنسان وہاں موجود ہوں گے اور لڑکی کو قتل کرنے والے وہ مجرم بھی ہوں گے، اُن کے سامنے جب لڑکی سے سوال کیا جائے گا تو وہ ظالم تھرتھرا رہے ہوں گے

اور اِس سوال سے اُن کے جرم کا اظہار ہی مقصود ہوگا۔ دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے کہ فقر وفاقہ اور تنگ دستی کے خوف سے اپنی اولاد کو ہرگز قتل مت کرو۔

وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيْرًا. (الاسراء: ۳۱)

اور اپنی اولاد کو ناداری کے اندیشہ سے قتل مت کرو (کیوں کہ) ہم اُن کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی، بے شک اُن کا قتل کرنا بڑا بھاری گناہ ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں کچھ لوگ اپنی بیٹیوں کو فقر وفاقہ کے خوف سے مار ڈالتے تھے، جیسا کہ درمنثور میں حضرت قتادہ سے مروی ہے، تو یہاں اولاد سے مراد لڑکیاں ہی ہوں گی۔ (بیان القرآن ۲/۸۸۹)

لڑکی کی اچھی تربیت پر جنت میں داخلہ کی بشارت

لڑکی کے والدین پر اچھی تعلیم وتربیت اور اس کی ضروریات کی تکمیل خوشی اور رغبت کے ساتھ کرنے کی ہدایت فرماتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

مَنْ وُلِدَتْ لَهُ اُنْثٰى فَلَمْ يَئِدْهَا وَلَمْ يُهِنْهَا وَلَمْ يُؤْثِرْ وَلَدَهُ يَعْنِيْ الذَّكَرَ عَلَيْهَا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِهَا الْجَنَّةَ. (رواه الحاكم في المستدرك)

جس کے گھر میں بچی پیدا ہوئی اور اُس نے اُس کو زندہ زمین میں دفن نہیں کیا، نہ اُس کی توہین کی اور نہ ہی اَپنے لڑکے کو اُس پر فوقیت دی تو اللہ تعالیٰ اُس لڑکی کے باعث والدین کو جنت میں داخل فرمائے گا۔

اِسی طرح دیگر احادیث میں بھی تین بیٹیوں اور دو بیٹوں کی تعلیم وتربیت اور دیگر ضروریات کی تکمیل کے سلسلہ میں لاحق ہونے والی پریشانیوں پر صبر کرنے پر جنت کی بشارت آئی ہے۔

جہیز اور تلک معاشرہ کا رستا ہوا ناسور

زمانۂ قدیم میں لڑکی کو زندہ درگور کرنے کے مختلف اَسباب تھے، مثلاً یہ کہ اُن کا خیال تھا کہ لڑکی کمزور ہے یہ اپنے باپ کی کیا مدد کرسکتی ہے؟ یا یہ کہ لڑکی کی وجہ سے ایک اجنبی شخص کو اپنا داماد بنانا پڑے گا، مگر موجودہ دور میں لڑکی کو ماں کے پیٹ میں قتل کرنے کا جو سب سے زیادہ اہم سبب نظر آتا ہے، وہ آج موجودہ دور میں اُس کی شادی اور اُس میں دیا جانے والا بے پناہ جہیز اور تلک ہے، لڑکے والوں کی طرف سے قیمتی سامان کی ایک لمبی فہرست لڑکی والوں کو سونپ دی جاتی ہے اور تلک کے نام سے موٹی رقم کا مطالبہ

کیا جاتا ہے۔اسی طرح بارات میں آنے والوں کی کثیر تعداد اور اُن کے لئے منہ مانگی مہنگی سے مہنگی تقریب طعام، یہ تمام چیزیں لڑکی کے والدین کو سوچنے پر مجبور کر دیتی ہیں، اور لڑکی کا باپ اس بارِ گراں کے نیچے دبا چلا جاتا ہے، اب اگر کسی کی کئی لڑکیاں ہو جائیں، تو وہ یہ باتیں سوچ سوچ کر پسینہ پسینہ ہو جاتا ہے کہ کس طرح وہ اپنی بیٹیوں کے ہاتھ پیلے کرے گا؟ آخر کار اِن تمام حالات سے مجبور و بے بس ہو کر انسان لڑکی کے وجود سے گھبرانے لگتا ہے، اور وہ یہ غلط فیصلہ کر بیٹھتا ہے کہ کیوں نہ اسی معصوم کلی کو ہی دنیا میں آنے سے پہلے ختم کر دیا جائے۔معلوم ہوا کہ اس معصوم کے قتل میں جہاں اس کے ماں باپ ذمہ دار ہیں، یہ سماج بھی پوری طرح مجرم نظر آتا ہے، لڑکیوں کا ماں کے پیٹ میں قتل اس وقت تک رُکتا ہوا نظر نہیں آتا جب تک کہ لڑکیوں کی شادی و نکاح کو آسان نہیں بنایا جائے گا، اور یہ بھی زمانہ کی ستم ظریفی اور عجیب تماشا ہے کہ یہی لڑکی کا باپ جو آج لڑکی کی شادی کرنے میں پریشان نظر آرہا ہے اور دل ہی دل میں لڑکے والوں کو کوس رہا ہے، جب اپنے لڑکے کی شادی کرنے چلتا ہے تو سب کچھ بھول جاتا ہے اور اُس کے تیور بھی اُسی طرح چڑھ جاتے ہیں جیسا کہ کل اُس نے دوسروں کو دیکھا تھا۔

پریشانی کا حل

اس مسئلہ کا آسان حل شادیوں کو سادہ اور آسان بنانے میں پوشیدہ ہے، اور یہ اُسی وقت ممکن ہے جب انسان دین داری کو اپنائے، قرآن وحدیث کے بتائے ہوئے راستے پر چلے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

إِنَّ أَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُهُ مَؤُونَةً. (مشكاة المصابيح ٢٦٨)

کم سے کم خرچ والا نکاح بہت زیادہ بابرکت ہوتا ہے۔

ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو مال کی نیت سے شادی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے فقر میں ہی اِضافہ کرتا ہے۔(رواہ ابن حبان عن انس وفی اسنادہ عبدالسلام بن عبدالقدوس یروی الموضوعات)

اسلام نے عورتوں کے حقوق کو تسلیم کیا ہے

پانچویں چیز جو عورتوں کے تعلق سے سمجھنے کی ہے، وہ یہ ہے کہ اِسلام نے عورتوں کے حقوق کو تسلیم کیا

ہے، چناں چہ اُنہیں اپنے مورث یعنی ماں باپ خویش واَقارب کے مالِ متروکہ کا وارث بنایا ہے، جب کہ اسلام سے پہلے عورتیں حق ملکیت سے محروم تھیں، اور اگر آج کسی قوم یا دھرم میں عورتوں کو حق ملکیت حاصل ہے تو وہ اسلام کی دَین ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ، وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيْبًا مَفْرُوْضًا. (النساء: ۷)

ماں باپ اور خویش واقارب کے ترکہ میں مردوں کا حصہ بھی ہے، اور عورتوں کا بھی حصہ ہے، اس مال میں سے جو مال ماں، باپ اور خویش واقارب (قریبی رشتہ دار) چھوڑ کر مریں، خواہ وہ مال کم ہو یا زیادہ (اس میں) حصہ مقرر کیا ہوا ہے۔

اس کے بعد ترکہ کی تقسیم سے متعلق قرآنِ کریم نے اَحکام بیان کئے ہیں، جو سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۱-۱۲ر میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں، غرض کہ اسلام میں عورتوں کو بہت سے حقوق حاصل ہیں، قرآنِ کریم کا کھلا اعلان ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ. (البقرة: ۲۲۸)

اور عورتوں کے بھی ویسے ہی حقوق ہیں جیسے ان پر مردوں کے ہیں، اچھائی کے ساتھ ہاں مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت ہے، اور اللہ زبردست ہے، حکمت والا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مرد اور عورت درجہ اِنسانیت میں دونوں ہی برابر ہیں، جس طرح نسل اِنسانی کی بقاء کے لئے مرد کا وجود ضروری ہے، اسی طرح عورت کا وجود بھی ضروری ہے؛ لہٰذا لڑکی کو حقیر سمجھنا، ماں کے پیٹ میں ہی اس کے قتل کا منصوبہ بنانا اور بالآخر دنیا میں آنے سے قبل ہی اُس کا خاتمہ کردینا انتہائی سنگین جرم اور گھناؤنا قتل ہے، جس کی اسلام میں قطعاً گنجائش نہیں ہے۔

❍❖❍

اولیاتِ صحابہؓ

انصارِ مدینہ میں

سب سے پہلے ایمان لانے والے صحابہ

مولانا مفتی ابوجندل قاسمی استاذ حدیث مدرسہ قاسم العلوم تیوڑہ ضلع مظفرنگر یوپی

انصارِ مدینہ میں سب سے پہلے ایمان سے مشرف ہونے والی شخصیت کے بارے میں دو قول ہیں:

(۱) ایک قول یہ ہے کہ ''اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' اور ''ذکوان بن عبد قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' ہیں۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ ''رافع بن مالک زرقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' اور ''معاذ بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' ہیں۔ (طبقات ابن سعد ۱/۲۱۸، الاستیعاب ۱/۵۸، ۲/۲۳۸، سیر اعلام النبلاء ۲/۲۵۸، الاعلام للزرکلی ۵/۲۵۸، سیرت ابن کثیر ۲/۱۷۷، البدایہ والنہایہ ۲/۱۴۹)

اس لئے بالترتیب چاروں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مختصر حالات تحریر کئے جاتے ہیں:

(۱) اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب:- نام اسعد، کنیت ابوامامہ، لقب خیر، قبیلہ خزرج کے خاندان ''بنونجار'' سے تھے، نسب نامہ یہ ہے: اسعد بن زرارہ بن عدس بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن النجار بن ثعلبہ بن عمرو بن الخزرج۔ (اسد الغابہ ترجمۂ اسعد بن زرارہؓ)

اِسلام اور اِشاعتِ اسلام:- مدینہ منورہ (زادہا اللہ شرفا وعظمۃً) میں حضرت اسعد بن زرارہ اور حضرت ابوالہیثم بن التیہان رضی اللہ عنہما اسلام لانے سے پہلے ہی توحید کے قائل تھے۔ (طبقاتِ ابن سعد ۱/۱۸۵)

ایک مرتبہ ملک شام سے تجارت کرکے اپنی قوم کے چالیس افراد کے ساتھ لوٹ رہے تھے، ایک مقام پر رات میں خواب دیکھا کہ ایک شخص کہہ رہا ہے کہ ''اے ابوامامہ! ایک نبی مکہ مکرمہ (زادہا اللہ شرفا وکرامۃ) میں ظاہر ہوگا، ان کا اتباع کرنا۔ (طبقاتِ ابن سعد ۱/۱۳۹، ذکر علامات النبوۃ قبل ان یوحی الیہ)

اسی زمانے میں مکہ مکرمہ سے اسلام کی صدا بلند ہوئی، چناں چہ اسعد بن زرارہ اور ذکوان بن عبد قیس دونوں عتبہ بن ربیعہ کے پاس مکہ مکرمہ آئے تھے، ان دونوں سے عتبہ بن ربیعہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کا تذکرہ کیا، یہ سن کر ذکوان نے اسعد بن زرارہؓ سے کہا: ''دُوْنَکَ هٰذا دِیْنُکَ'' ۔یعنی تم کو جس دین کی تلاش تھی وہ مل گیا ہے اس کو اختیار کرلو۔ اسعد بن زرارہؓ اور ذکوان بن عبد قیس دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور ایمان کی دولتِ لازوال سے مشرف ہوگئے، پھر عتبہ کے پاس واپس نہیں گئے؛ بلکہ مدینہ منورہ لوٹ آئے۔ اور علامہ واقدیؒ کے قول کے مطابق یہ دونوں حضرات سب سے پہلے مدینہ منورہ میں اسلام لے کر آئے۔ (الاستیعاب ۱/۵۸، طبقاتِ ابن سعد ۱/۱۸۵، اسد الغابہ ۱/۴۴، ترجمہ اسعد بن زرارہؓ)

مدینہ منورہ آنے کے بعد اسلام کی تبلیغ شروع کی، سب سے پہلے ابوالہیثم بن التیہان سے ملاقات ہوئی، وہ بلا چون وچرا فوراً اِسلام لے آئے، اور یہ قبیلہ اوس کے سب سے پہلے مسلمان ہیں، حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ بعد میں چھ افراد کے ساتھ حاضرِ خدمت ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر منیٰ کی ایک گھاٹی میں بیعت کی، حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ تینوں سال بیعت کے شرف سے مشرف ہوئے، آخری بیعت میں ایک قول کے مطابق سب سے پہلے آپ نے ہی بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا، انتخابِ نقباء کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسعد رضی اللہ عنہ کو ''بنونجار'' کا نقیب تجویز فرمایا۔ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کے خاندان کے چند افراد نے خدمتِ نبوی میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ ان کی جگہ کسی کو نقیب تجویز فرمادیا جائے، ارشاد ہوا کہ تم لوگ میرے ماموں ہو، اس لئے میں خود تمہارا نقیب ہوں۔ ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بنونجار کا نقیب بننا اُن کے لئے ایک نعمتِ عظمیٰ اور لازوال شرف ہے۔ (اسد الغابہ ۱/۴۴، ترجمہ اسعد بن زرارہؓ، البدایہ والنہایہ ۳/۱۶۳، الاستیعاب ۱/۵۷، الاصابہ ترجمۂ اسعد بن زرارہؓ)

اولیاتِ اسعد بن زرارہؓ:- (۱) بیعت عقبۂ ثانیہ میں (ایک قول کے مطابق) آپؓ نے ہی سب سے پہلے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

فائدہ:- اس میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے بیعت کے لئے کس نے ہاتھ بڑھایا، اور اس سلسلے میں پانچ اقوال ہیں:

(۱) بنونجار اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہتے ہیں۔
(۲) بنوعبد الاشہل ابوالہیثم مالک بن التیّہان رضی اللہ عنہ کو کہتے ہیں۔
(۳) حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ براء بن معرور رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہتے ہیں۔
(۴) بنوسلمہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہتے ہیں۔

(۵) اور بعض حضرات اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کا نام لیتے ہیں۔

سلیمان بن یسیمؒ فرماتے ہیں کہ جب اوس اور خزرج کا اس بارے میں اختلاف ہوا کہ سب سے پہلے کس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی، تو بعض حضرات نے یہ کہا کہ اس کا صحیح علم حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ہوگا، وہ اس وقت موجود تھے، ان سے دریافت کرنا چاہئے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سب سے پہلے اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے بیعت کی، پھر براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے، اور پھر اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے۔ (طبقاتِ ابن سعد ۸/۴، الطبقۃ الثانیۃ من المہاجرین والانصار، ترجمہ العباس بن عبدالمطلبؓ۔ الروض الانف ۲۷۲/۲، البدایہ والنہایہ ۱۶۳/۳، البدء والتاریخ ۲۳۵/۱، اسد الغابہ، ترجمہ مالک بن التیہانؓ، عیون الاثر ۲۷۱/۱، الاستیعاب ۵۷/۱)

(۲) سب سے پہلے آپ نے ہی چالیس مسلمانوں کو ''حرۂ بنو بیاضہ'' کی بستی ''ھزم النَّبِیت'' (جو مدینہ منورہ سے ایک میل کے فاصلے پر تھی) کی ایک پست زمین میں (جس کو ''نقیع الخَضِمات'' یا ''بقیع الخَضِمات'' کہا جاتا تھا) جمع کر کے جمعہ قائم کیا اور دو رکعت نماز پڑھائی۔ بعض نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا ہے۔ (عون المعبود شرح ابی داؤد ۲۸۱/۳، باب الجمعۃ فی القریٰ، عمدۃ القاری ۲۷۲/۶، باب الجمعۃ فی القریٰ والمُدُنِ، الروض الانف ۲۵۳/۲)

عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ میرے والد کعب بن مالک رضی اللہ عنہ جب جمعہ کی اذان سنتے تو اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعاءِ مغفرت فرماتے، ایک مرتبہ میں نے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ مدینہ منورہ میں سب سے پہلے اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے ہی ہم کو جمعہ پڑھایا ہے۔ (سنن ابوداؤد، باب الجمعۃ فی القریٰ، حدیث: ۱۰۶۹)

فائدہ :- علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسلام میں سب سے پہلے حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے جمعہ قائم کیا، اور زمانۂ جاہلیت میں سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد کعب بن لؤی نے جمعہ قائم کیا، وہ اس دن لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیتے، نیز انہوں نے ہی اس دن کا نام ''یوم العَرُوبہ'' سے بدل کر ''یوم الجمعہ'' رکھا۔ (الروض الانف ۲۵۳/۲)

(۳) انصارِ مدینہ کے سب سے پہلے داعی حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ (طبقاتِ ابن سعد ۱۸۶/۱، اسد الغابہ ترجمہ اسعد بن زرارہؓ)

(۴) ایک قول کے مطابق ہجرتِ نبوی کے بعد سب سے پہلے آپ رضی اللہ عنہ نے ہی وفات

پائی، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے آپؓ کی ہی نمازِ جنازہ پڑھائی، بعض نے حضرت کلثوم بن الہدم رضی اللہ عنہ کو کہا ہے۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ترجمۂ اسعد بن زرارہؓ، الروض الانف ۲/۳۳۱)

(۵) انصار مدینہ میں سب سے پہلے ''بقیع'' قبرستان میں دفن ہونے والے صحابی حضرت اسعد بن زرارہؓ ہیں۔ (الاستیعاب ۱/۵۷)

بعض دیگر احوال

○ جس وقت حضور اکرم ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو داعی اسلام بنا کر مدینہ منورہ روانہ فرمایا، تو حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے گھر میں مہمان بنایا۔ (البدایہ والنہایہ ۱/۴۳۲)

○ ہجرت نبوی کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں قیام فرمایا، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کو حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے اپنے یہاں رکھا، گویا اونٹنی آپؐ کی مہمان تھی۔ (طبقات ابن سعد ۱/۲۰۳)

○ مسجد نبوی کی تعمیر کے لیے جو جگہ تجویز ہوئی تھی وہ زمین سہل اور سہیل نامی دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی، یہ دونوں بچے حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں تربیت پاتے تھے۔ (صحیح بخاری ۱/۵۵۵، حدیث: ۳۹۰۶، باب ہجرۃ النبی واصحابہ الی المدینۃ)

وفات:- شوال ۱ر ہجری میں جب کہ مسجد نبوی کی تعمیر چل رہی تھی، آپؓ کے حلق میں بہت زیادہ تکلیف ہوئی جس کو ''ذُبحہ'' کہتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لئے تشریف لے گئے، اور اپنے دستِ مبارک سے ان کے سر کو داغا؛ لیکن تکلیف دور نہیں ہوئی؛ بلکہ پیغامِ اجل ثابت ہوئی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ رنج ہوا، فرمایا: کیسی موت ہوئی، اب یہودیوں کو یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ پیغمبر تھے تو اپنے ساتھی کو کیوں نہ اچھا کر دیا؟ حالاں کہ میں کسی کے لئے (نہ اپنے لئے اور نہ کسی اور کے لئے) کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا۔ (اسد الغابہ ۱/۴۴، الاستیعاب ۱/۵۷، ترجمۂ اسعد بن زرارہؓ)

اولاد:- حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے پسماندگان میں دو لڑکیاں چھوڑیں، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے متعلق وصیت کی، آپ نے ہمیشہ ان کا خیال رکھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سونے چاندی کی بالیاں پہنائیں، جن میں موتی پڑے ہوئے تھے۔ (الاصابہ ۱/۵۵، ترجمۂ اسعد بن زرارہؓ، سیر الصحابہ ۳/۲۲۳)

شخصیات: آخری قسط

حضرت امام ابوحنیفہؒ بحیثیت محدث

مولانا محمد حذیفہ ہردے پوری، مدرس مدرسہ قاسم العلوم تیورہ مظفرنگر یوپی

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں ائمہ حدیث کے اَقوال

ائمہ حدیث کے وہ اقوال جن میں امام صاحبؒ کو خراج تحسین پیش کیا گیا ہے اور امام صاحب کی تعریف وتوثیق کی ہے علم حدیث میں آپ کی جلالت قدری کا پتہ دیتے ہیں؛ چنانچہ مکی بن ابراہیمؒ -جن سے امام بخاریؒ کی اکثر ثلاثیات منقول ہیں- کا قول تہذیب التہذیب میں امام صاحبؒ کے بارے میں نقل کیا گیا ہے: ''کان أعلم أہل زمانہ'' اور اس زمانے میں علم کا اطلاق صرف علم حدیث پر ہوتا تھا؛ اس لیے اس قول سے معلوم ہوا کہ امام صاحبؒ اپنے زمانے میں علم حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے۔

حافظ ذہبیؒ نے مناقب میں مسعر بن کدامؒ کا قول نقل کیا ہے:

طلبت مع أبی حنیفة الحدیث فغلبنا، و أخذنا في الزهد فبرع علینا، و طلبنا معه الفقه فجاء منه ما ترون. (مکانة أبی حنیفةؒ في الفقه والحدیث ۲۵)

کہ میں امام اعظمؒ کا رفیق درس تھا وہ علم حدیث کے طالب علم بنے تو ہم سے آگے نکل گئے یہی حال زہد و تقوے کا بھی ہوا اور فقہ کا معاملہ تمہارے سامنے ہے۔

نیز فرماتے ہیں: ''**إنه المحدث الثبت العابد الزاهد**''۔

واضح رہے کہ مسعر بن کدامؒ کو سفیان ثوریؒ اور شعبہ علم حدیث کا ترازو کہا کرتے تھے۔

خطیب بغدادیؒ نے سفیان بن عیینہؒ کا قول نقل کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ ''مجھے سب سے پہلے حدیث سیکھنے کے لیے کوفہ میں امام ابوحنیفہؒ کے پاس بٹھایا اور کہا کہ یہ عمرو بن دینارؒ کی حدیثوں کا سب سے بڑا عالم ہے''۔ (الخیرات الحسان ۷۳)

سفیان ثوریؒ سے امام صاحبؒ سے حدیث لینے کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: ''**اکتب عنه فإنه ثقة**''۔

امام ابویوسفؒ نے فرمایا کہ: میں نے ابوحنیفہؒ سے بڑا کوئی تفسیر حدیث کا عالم نہیں دیکھا۔

حافظ ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں:

أن شعبة كان حسن الرأي في أبي حنيفة.

شعبہؒ امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔

علی ابن المدینیؒ نے کہا: **هو ثقة لابأس به۔**

ذہبیؒ نے امام صاحبؒ کو حفاظ حدیث میں سے شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ حافظ، معدل اور علوم نبوی کے حامل تھے۔

شیخ المحدثین اور جرح وتعدیل کے امام یحییٰ بن معینؒ نے مختلف الفاظ میں امام صاحبؒ کی توثیق کی ہے:

کہتے ہیں: وہ ثقہ ہیں، اہل صداقت میں سے ہیں اور کذب کے ساتھ متہم نہیں ہیں۔ نیز کہتے ہیں:

ثقة ثقة ۔

کہیں کہتے ہیں: **كان أبو حنيفة ثقة صدوقا في الحديث و الفقه۔**

انہی سے یہ بھی منقول ہے: **كان أبو حنيفة ثقة لايحدث بالحديث إلا بما يحفظه و لايحدث بما لايحفظ. و قال أيضا: أبوحنيفة عندنا من أهل الصدق۔**

ان سے ایک مرتبہ امام صاحبؒ کے بارے میں پوچھا گیا: **أثقة هو في الحديث؟** تو کہا: **نعم! ثقة ثقة، و كان واللّٰه أورع من أن يكذب و هو أجل قدرا من ذٰلك۔**

انہی سے پوچھا گیا کہ کیا سفیان ثوریؒ امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں؟ تو کہا: **نعم ! كان أبو حنيفة ثقة صدوق في الفقه و الحديث مامون على دين الله۔**

کہیں کہتے ہیں: **هو ثقة ما سمعت أحدا ضعفه۔**

نیز توثیق کرنے والوں میں عبداللہ ابن مبارکؒ، اسرائیل بن یونسؒ، سہل بن مزاحمؒ، علی بن عاصمؒ، عبداللہ بن زائدہؒ، فضیل بن عیاضؒ، شعبہ ابن الحجاجؒ، حافظ ابن حجرؒ اور علامہ سیوطیؒ وغیرہ بھی ہیں۔ (مکانۃ ابی حنیفۃ بین المحدثین ۱۹۲-۲۰۳)

''**أبو حنيفة بين الجرح والتعديل**'' میں حافظ ابن عبدالبرؒ کا قول نقل کیا ہے کہ جس نے بھی امام صاحبؒ سے روایت کی ہے تمام نے ان کی توثیق کی ہے اور زیادہ تر لوگوں نے ان کی تعریف کی ہے۔ (ابوحنیفۃ بین الجرح والتعدیل ۳۸)

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تابعیت اور صحابہ کرامؓ سے روایت

امام صاحبؒ کی تابعیت ایک مسلمہ بات ہے جیسا کہ اکثر محدثین کا یہی فیصلہ ہے جن میں خطیب بغدادیؒ، علامہ نوویؒ، حافظ ابن حجرؒ، علامہ ذہبیؒ اور علامہ زین العابدین سخاویؒ وغیرہ بھی ہیں۔ (الخیرات الحسان ۶۳)

محدثین کی ایک جماعت نے ۸ صحابہ کرامؓ سے امام صاحبؒ کا روایت کرنا ثابت کیا ہے؛ لیکن بعض محدثین نے اس سے اختلاف کیا ہے؛ مگر امام ابوحنیفہؒ کے تابعی ہونے پر جمہور محدثین کا اتفاق ہے۔

اور اس زمانے میں علم حدیث سے ایسا نابلد ہونا جیسا کہ بعض دریدہ دہن لوگ کہتے ہیں کہ امام صاحبؒ کو صرف سترہ احادیث یاد تھیں یا صرف تین حدیثیں یاد تھیں کھلا ہوا جھوٹ ہے۔

کتاب الآثار اور امام ابوحنیفہؒ

فقہی ابواب پر حدیث کی سب سے پہلی مرتب کتاب بھی امام ابوحنیفہؒ کی ہے امام صاحبؒ نے چالیس ہزار احادیث سے انتخاب کر کے کتاب الآثار کے نام سے ایک کتاب لکھی یہ کتاب بھی علم حدیث میں آپ کے بلند مقام کی شاہد ہے؛ چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ علم حدیث میں امام صاحبؒ کی یہ فضیلت کچھ کم نہیں کہ انہوں نے سب سے پہلے ابواب فقہیہ پر کتاب مرتب کی۔

اس دور کے محدثین کی نظر میں اس کتاب کی انتہائی قدر و منزلت تھی، جس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے شاگردوں کو اس کتاب کے مطالعے کا نہ صرف مشورہ دیا؛ بل کہ یہ تاکید بھی کی کہ اس کتاب کے بغیر علم فقہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح محدثین نے اس کتاب کی متعدد شروح لکھیں جن میں علامہ ابن ہمامؒ کے شاگرد قاسم قطلو بغاؒ نے کتاب الآثار کی شرح کی اور اس کے رجال پر ایک مستقل تصنیف کی۔ حافظ ابن حجرؒ نے بھی کتاب الآثار کے رجال پر ایک کتاب لکھی۔ ان محدثین کا اس کتاب کی یہ خدمت کرنا بھی کتاب کے بلند مرتبے کی خبر دیتا ہے۔ (مقدمہ خلاصہ مسند امام اعظمؒ ۲۷)

مشہور محقق عالم مولانا عبدالرشید نعمانیؒ نے کتاب الآثار کے مقدمے میں قوی روایتوں کی روشنی میں لکھا ہے کہ کتاب الآثار براہ راست امام ابوحنیفہؒ کی تالیف ہے امام محمدؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام زفرؒ وغیرہ اس کے راوی ہیں۔ (ماہنامہ دارالعلوم دسمبر ۲۰۱۲ء، ۴۰/۴۱)

امام اعظمؒ کی یہ کتاب الآثار موطا امام مالکؒ کے لیے ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے؛ چنانچہ علامہ ذہبیؒ نے مناقب میں مشہور محدث عبدالعزیز دراوردیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے: ”**كان مالك ينظر في كتب**

أبي حنيفة و ينتفع بها" اس سے واضح ہوا کہ امام صاحبؒ کی کتاب الآثار موطا امام مالکؒ کے لیے وہی حیثیت رکھتی ہے جو صحیحین کے لیے موطا کی ہے۔ (مقدمہ خلاصہ مسند امام اعظمؒ ۲۶)

علامہ شبلی نعمانیؒ نے کتاب الآثار کے متعدد نسخوں کی نشاندہی کی ہے؛ لیکن عام شہرت چار نسخوں کو حاصل ہے ان نسخوں میں بھی امام محمدؒ کی روایت کردہ کتاب کو سب سے زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ ''کتاب الآثار'' بروایت امام محمدؒ، ''کتاب الآثار'' بروایت امام ابو یوسفؒ، ''کتاب الآثار'' بروایت امام زفرؒ، ''کتاب الآثار'' بروایت امام حسن بن زیادؒ۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی مسانید

امام اعظمؒ کو علم حدیث میں جو مرتبہ حاصل ہے اس کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ جس کثرت سے ان کی مسندیں لکھی گئی ہیں کسی کی نہیں لکھی گئیں۔ مسلمانوں میں روایت حدیث کو جو ترقی حاصل ہوئی دنیا اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتی۔ صحاح، سنن، مستخرجات، جوامع، مسانید، معاجم، اجزاء اور طرق وغیرہ مختلف عنوانات قائم ہوئے اور ہر عنوان کے تحت اس کثرت سے کتابیں لکھی گئیں کہ ان کا شمار بھی مشکل ہے؛ لیکن خاص کسی ایک شخص کی روایات کو ایک مستقل مجموعے میں علاحدہ قلمبند کرنے کا رواج زیادہ نہیں ہو سکا۔

محدثین اور حفاظ میں بہت کم ایسے خوش قسمت ہیں کہ جن کی حدیثیں مستقل تصانیف میں جداگانہ مدون کی گئی ہوں۔ میری مختصر معلومات کے مطابق امام ابوحنیفہؒ ایک ایسے واحد شخص ہیں جن کی احادیث و روایات کے ساتھ غیر معمولی اعتناء کیا گیا نہایت کثرت سے ان کی مسندیں لکھی گئیں اور ان ائمہ وقت اور حفاظ حدیث نے لکھیں جو خود اس قابل تھے کہ ان کی مسندیں لکھی جاتیں اس خصوصیت میں اگر کوئی دوسرا امام اعظمؒ کا ہمسر ہو سکتا ہے تو وہ امام مالکؒ ہیں۔

امام اعظمؒ کی پندرہ مسانید ہیں جن کو محدثین نے جمع کیا ہے: (۱) مسند حافظ ابوعبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی البخاریؒ المعروف بعبد اللہ الاستاذ۔ (۲) مسند حافظ ابو القاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہدؒ۔ (۳) مسند حافظ ابوالحسین محمد بن المظفرؒ۔ (۴) مسند امام حافظ ابونعیم اصفہانیؒ۔ (۵) مسند امام ابوبکر محمد بن عبدالباقی انصاریؒ۔ (۶) مسند حافظ ابواحمد عبداللہ بن عدی جرجانیؒ۔ (۷) مسند امام حسن بن زیاد لؤلؤیؒ۔ (۸) مسند حافظ عمر بن الحسن اشنانیؒ۔ (۹) مسند حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن خلی الکلاعیؒ۔ (۱۰) مسند امام حافظ ابوعبداللہ حسین بن محمد بن خسرو بلخیؒ۔ (۱۱) مسند امام ابو یوسف قاضیؒ، جو نسخہ أبي یوسف سے موسوم ہے۔

(۱۲) مسند امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ۔ یہ بھی نسخہ محمد سے موسوم ہے۔ (۱۳) مسند امام حماد بن ابی حنیفہؒ۔ (۱۴) مسند امام محمد بن حسنؒ، جو آثار سے موسوم ہے۔ (۱۵) مسند امام حافظ ابوالقاسم عبداللہ بن ابی العوام السعدیؒ۔ (مقدمہ شرح مسند ابی حنیفہ عربی ۷-۹، مکانۃ الامام ابی حنیفۃ بین المحدثین ۲۷۴-۲۷۵)

قاضی القضاۃ محدث ابوالمؤید محمد بن محمود الخوارزمیؒ (م ۶۵۵ھ) نے جامع المسانید میں امام صاحبؒ کی مسانید کے مذکورہ پندرہ نسخوں کو یک جا جمع کرنے کی کوشش کی ہے؛ چنانچہ جامع المسانید کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ ''میں نے شام میں بعض جاہلوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ امام صاحبؒ کی کوئی مسند نہیں ہے اور وہ صرف معدودے چند حدیثوں کے راوی ہیں اس پر مجھ کو حمیت مذہبی کا جوش ہوا اور میں نے چاہا کہ امام ممدوح کی ان پندرہ مسانید کو جنہیں نامور علماء محدثین نے مرتب کیا ہے یکجا جمع کردوں''۔

البتہ علماء کی تحقیق یہ ہے کہ خوارزمی تمام مسانید کو جمع نہیں کرسکے؛ اس لیے کہ امام ابوحنیفہؒ کی روایت کی تعداد چار ہزار ہے جیسا کہ امام حسن لؤلؤیؒ فرماتے ہیں: ''**كان أبو حنيفة يروي أربعة آلاف حديث ألفين لحماد و ألفين لسائر المشيخة**'' اور خوارزمیؒ کی جامع المسانید میں اس سے آدھی حدیثیں بھی موجود نہیں۔

لیکن چونکہ خوارزمیؒ کی جامع المسانید میں امام صاحبؒ کی متعدد مسانید کی بیشتر روایتیں موجود ہیں؛ اس لیے متاخرین میں اس کتاب کو بڑی شہرت اور مقبولیت نصیب ہوئی۔ (مقدمہ مسند امام اعظمؒ اردو ۲۸/۲۹)

امام صاحبؒ کی سند اور احادیث کی مشہور کتابیں

امام ابوحنیفہؒ کو احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم صرف دو واسطوں (صحابی اور تابعی) سے ملی ہیں؛ بل کہ بعض امام صاحبؒ نے صحابہ اکرامؓ سے براہ راست روایت کی ہیں۔ دو واسطوں سے ملی احادیث کو ثنائی کہتے ہیں جو سند کے اعتبار سے حدیث کی اعلیٰ قسم شمار ہوتی ہے۔ بخاری اور دیگر کتب احادیث میں دو واسطوں کی کوئی بھی حدیث موجود نہیں ہے۔ تین واسطوں والی حدیث یعنی احادیث ثلاثیات بخاری میں صرف ۲۲ ہیں ان میں سے ۲۰ امام بخاری نے امام صاحبؒ کے شاگردوں سے روایت کی ہیں۔

احادیث کی مشہور کتابیں: بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، طبرانی، بیہقی، مسند ابن حبان اور مسند احمد ابن حنبل وغیرہ امام ابوحنیفہؒ کی وفات سے تقریباً ۱۵۰ سال بعد مدون ہوئی ہیں۔ ان مذکورہ کتابوں کے مصنفین امام صاحبؒ کی حیات میں موجود ہی نہیں تھے۔ ان میں سے اکثر امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔

مشہور کتب احادیث کی تصنیف سے قبل ہی امام صاحبؒ کے مشہور شاگردوں (قاضی ابو یوسفؒ امام محمدؒ) نے امام صاحبؒ کے حدیث اور فقہ کے دروس کو کتابی شکل میں مرتب کر دیا تھا جو آج بھی دستیاب ہیں۔

مشہور کتبِ احادیث میں عموماً چار یا پانچ یا چھ واسطوں سے احادیث ذکر کی گئی ہیں؛ جبکہ امام ابو حنیفہؒ کے پاس زیادہ تر احادیث صرف دو واسطوں سے آئی تھیں اس لحاظ سے امام ابوحنیفہؒ کو جو احادیث ملیں وہ اصح الاسانید کے علاوہ احادیث صحیحہ، مرفوعہ، مشہورہ اور متواترہ کا مقام رکھتی ہیں غرضے کہ جن احادیث کی بنیاد پر فقہ حنفی کو مرتب کیا گیا وہ عموماً سند کے اعتبار سے اعلیٰ درجے کی ہیں۔

خلاصہ

کتب حدیث میں امام ابوحنیفہؒ سے احادیث کی روایت کثرت سے نہ ہونے کی وجہ سے بعض لوگوں نے یہ تأثر پیش کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ علم حدیث میں کم ہی مہارت رکھتے تھے حالانکہ آپ ذرا غور کریں کہ جس شخص نے صرف بیس سال کی عمر میں علم حدیث پر توجہ دی ہو، جس نے صحابہؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کا بہترین زمانہ پایا ہو، جس نے ایک یا دو واسطوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سنی ہوں، جس نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ جیسے جلیل القدر فقیہ صحابی کے شاگردوں سے ۱۸ سال تعلیم و تربیت حاصل کی ہو، جس نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا عہد خلافت پایا ہو، جس نے تدوین حدیث کا سنہرا دور دیکھا ہو، جس نے کوفہ، بصرہ، بغداد، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور ملک شام کے ایسے اساتذہ سے احادیث پڑھی ہوں جو اپنے زمانے کے بڑے بڑے محدث تھے، جس نے قرآن و حدیث کی روشنی میں ہزاروں مسائل کا استنباط کیا ہو، قرآن و حدیث کی روشنی میں کئے گئے جس کے فیصلے کو تقریباً ہزار سال کے عرصے سے زیادہ امت مسلمہ؛ نیز بڑے بڑے علماء و محدثین و مفسرین تسلیم کرتے چلے آرہے ہوں، جس نے فقہ کی تدوین میں اہم کردار ادا کیا ہو، جو صحابی رسول حضرت ابن مسعودؓ کا علمی وارث بنا ہو، جس نے ابن عباسؓ، ابن عمرؓ اور ابن مسعودؓ جیسے فقہا صحابہؓ کے شاگردوں سے علمی استفادہ کیا ہو، جس کے تلامذہ بڑے بڑے محدث، فقیہ اور امام وقت بنے ہوں تو اس کے متعلق ایسا تأثر پیش کرنا صرف اور صرف بغض و عناد اور کم علمی کا نتیجہ ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی شخص حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کے متعلق کہے کہ ان کو علم حدیث سے معرفت کم تھی؛ کیونکہ ان سے گنتی کی چند احادیث کتب حدیث میں مروی ہیں حالانکہ ان حضرات کا کثرتِ روایت سے اجتناب دوسرے اسباب کی وجہ سے تھا۔ غرضے کہ امام صاحبؒ فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم محدث بھی تھے۔

❍❖❍

شخصیات: دوسری قسط

ایک سچا مؤمن اور اَچھا اِنسان یعنی

حاجی عبدالرزاق نصیرآبادی رائے بریلویؒ

خادمِ خاص حضرت مولانا علی میاں ندویؒ

۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء - ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۴ء

بہ قلم: مولانا نور عالم خلیل اَمینی صاحب چیف ایڈیٹر ''الداعی'' عربی واستاذ ادبِ عربی دارالعلوم دیوبند

ناشتے کے بعد حضرت مولاناؒ کا پختہ معمول تھا کہ وہ اُن مہمانوں کو جن کا اسی وقت رخصت ہوجانا طے ہوتا تھا، رخصت اور تودیعی مصافحہ کرکے لکھنے پڑھنے کے کاموں میں مشغول ہوجاتے تھے؛ کیوں کہ یہی اُن کی زندگی کے اصلی اور مرغوب ومحبوب کام تھے۔ پھر ظہر کی اذان تک کسی بڑے سے بڑے آدمی کے لیے اپنے اس معمول میں کوئی خلل واقع نہیں ہونے دیتے تھے۔ راقم کو یاد ہے کہ ایمرجنسی کے دورانیے کے بعد، جس کے دوران اندرا گاندھی اور کانگریس کی ہوا بالکل اکھڑ گئی تھی، ایک بار امیٹھی اور رائے بریلی کے اپنے انتخابی حلقے کے دورے پر اندرا گاندھی آئیں اور اچانک اُنھوں نے حضرت مولاناؒ سے ملاقات کا پروگرام بنالیا۔ سرکاری اہل کاروں نے کوئی آدھ گھنٹہ پہلے اُنھیں آکے خبر دی کہ اندرا گاندھی شہر میں آئی ہوئی ہیں اور آپ سے ملنے کی خواہش رکھتی ہیں۔ دن کے کوئی ۱۰-۱۱ کے درمیان کا وقت تھا، حضرت مولاناؒ کو اُن کا اِس وقت ملاقات کا پروگرام بہت ناگوارِ خاطر ہوا اور جب وہ حاضرِ خدمت ہوئیں تو آپ نے صرف ۱۵ منٹ کا وقت بہ مشکل تمام صرف کیا اور اُنھیں بہ عجلت رخصت کرکے پھر اپنے کاموں میں لگ گئے؛ لیکن خاصی دیر تک اس خلل اندازی کا آپ پر اثر رہا۔

ناشتے کے بعد جیسے ہی حضرت مولاناؒ اپنے تحریری وتالیفی مشاغل میں مصروف ہوجاتے، بھائی عبدالرزاق روزانہ کے سامانوں کی فہرست گھر سے وصول کرتے، مخصوص تھیلا سائیکل کے ہینڈل میں لٹکاتے اور شہر کو روانہ ہوجاتے اور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بعد گوشت، سبزی، مسالوں اور ضرورت کے وقت آٹا دال اور چاول کی بوریاں الگ رکشے پر لاد کر واپس آجاتے۔ اگر حضرت مولاناؒ کی کوئی دوا یا اُن کے خاندان کے کسی فرد کی کوئی ضرورت کی چیز لانی ہوتی تو وہ بھی رائے بریلی شہر سے اپنے ساتھ لے آتے۔

اِس موقع سے اُن عزیز دنوں کی لذیذ یادیں اِس راقم کے حافظے کی اسکرین پر نہ صرف ابھر آئی ہیں؛ بل کہ قرطاس وقلم کی راہ سے قاری کے سامنے آنے کے لیے بے تاب ہیں۔ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ کے اواخر اور فروری ۱۹۷۲÷ کے اواسط کی بات ہے کہ یہ راقم دہلی-لکھنؤ میل سے حضرت مولانا ندویؒ کی فرمایش کے مطابق اُن کی ملاقات کی سعادت کے لیے لکھنؤ دارالعلوم ندوۃ العلماء پہنچا۔ وہاں معلوم ہوا کہ وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے اپنے وطن ''تکیہ کلاں'' رائے بریلی کے لیے روانہ ہوگئے ہیں، ندوۃ العلماء کے بعض ذمے داروں کی راہ نمائی کے مطابق یہ راقم فوراً لکھنؤ چارباغ اسٹیشن پہنچ گیا، وہاں رائے بریلی کے لیے ایک اکسپریس چھوٹنے کے لیے تیار تھی، اس پر سوار ہوکر ''رائے بریلی'' پہنچا اور وہاں سے بہ ذریعہ رکشا حضرت مولانا کے گاؤں ''تکیہ کلاں''۔ ظہر کی اذان ہوچکی تھی، مہمان خانے میں راقم نے اپنا سامان ڈال دیا اور بعض لوگوں کی ہدایت کے مطابق مسجد پہنچا، نماز ظہر کے بعد حضرت مولاناؒ سے ملاقات ہوئی۔

یہ راقم اپنے استاذِ گرامی مؤرخ اسلام، پُرنویس اسلامی اہل قلم، محدث وفقیہ ونام ور سیاسی وملی قائد حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندی ثم الدہلویؒ (۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳÷- ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵÷) کے حکم کے بہ موجب دہلی میل سے لکھنؤ اسٹیشن پر اترتے ہی تین روز بعد کا دہلی واپسی کا ٹکٹ لے چکا تھا؛ لیکن حضرت مولانا ندویؒ نے خدائے حکیم کی تقدیر کے بہ موجب، اپنی شفقت ومحبت وتربیت کے گھنیرے سائے میں راقم کو اپنے پاس ہی روک لیا اور باقاعدہ قیام کا انتظام فرمادیا۔

دو تین دن گزرے تھے کہ حضرتؒ نے اپنے والد گرامی حضرت مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی رائے بریلویؒ (۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹÷ - ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳÷) کی تہذیب اخلاق وتربیت وتزکیہ کے موضوع پر منتخبہ احادیث پر مشتمل کتاب (جس کا نام حضرتؒ نے ہی بعد میں ''تہذیب الاخلاق'' تجویز فرمایا اور وہ بیروت سے چھپی اور بہت سے اسکولوں اور مدرسوں میں داخلِ نصاب ہوئی) کا مُسَوَّدہ اِس راقم کے سپرد فرمایا جو فارسی رسم الخط میں تحریر تھا، جس کو اردو نے بھی اپنا رکھا ہے۔ اِس مُسَوَّدے میں کہیں بھی اِملائی علامتوں کا کوئی استعمال نہیں تھا، جن کا عصرِ حاضر میں چلن عام ہوگیا ہے۔ نہ کہیں کاما لگا تھا، نہ سیمی کولن، نہ وقفۂ تامہ کی علامت، نہ سوالیہ نشان وغیرہ، جس کی وجہ سے عبارت فہمی دشوار معلوم ہوتی تھی۔ حضرت مولاناؒ نے فرمایا: مولوی نور صاحب! آپ اِس کو اپنے اُسی خط نسخ میں صاف کردیجیے جس میں آپ نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلے کے لیے درخواست لکھی تھی اور ہم نے اُس پر سفارش تحریر کی تھی۔

ساتھ ہی فرمایا کہ آپ کو اِس کام کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے آپ فراہم کر لیجیے: اچھے سے اچھا کاغذ جو آپ کو پسند ہو، قلم، روشنائی اور مسطر وغیرہ۔ آپ اِس سلسلے میں عبدالرزاق سے مدد لے لیں، اُن کے ساتھ شہر رائے بریلی چلے جائیں وہ ساری چیزیں آپ کی من پسند خرید دیں گے۔

چناں چہ یہ راقم، بھائی عبدالرزاق کے ساتھ ایک روز صبح کے وقت جب حضرتؒ اپنے تحریری وتالیفی کاموں میں مشغول ہوگئے، شہر گیا۔ بھائی عبدالرزاق جب روزانہ کی گھریلو ضروریات کی خرید سے فارغ ہوگئے، تو راقم کو کاغذی اور اسٹیشنری کی کئی دکانوں پر لے گئے۔ بہ مشکل ایک دکان پر ''سن لائٹ'' Sunlight کاغذ ملا، جس پر راقم دہلی میں تحریری کام کیا کرتا تھا، ایک اسٹیشنری والے سے پختہ سیاہ روشنائی لی، قلم کی ضرورت نہ تھی کہ وہ راقم کے پاس میڈ اِن جرمنی ہر قسم کا موجود تھا، جس کا پورا سیٹ اُس نے اردو بازار جامع مسجد دہلی کی ایک دکان سے خریدا تھا جو کتابت وخوش خطی کے قلم ہی کی تھی۔

یہ پہلا موقع تھا کہ بھائی عبدالرزاق کو راقم نے اچھی طرح برتا اور پرکھا، بہت ساری دکانوں میں جانے کی وجہ سے خاصی تاخیر بھی ہوئی؛ لیکن اُن کی خوش اخلاقی میں کوئی فرق نہیں آیا، جس سے یقین ہوگیا کہ یہ بہت اچھے انسان ہیں اور حضرت مولاناؒ جیسے عظیم انسان کی خدمت کے لیے واقعی اِسی طرح کے بہت متحمل مزاج، نرم خو، خوش اخلاق اور معاملہ فہم انسان کو مختص ہونا چاہیے تھا؛ لہٰذا یہ صحیح جگہ پر بہت صحیح آدمی ہیں۔ جیسے جیسے تکیے کا راقم کا قیام دراز ہوتا گیا، پھر وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں مدرس ہوا اور گھر آنگن کی طرح بار بار سال ہا سال تک ندوہ اور تکیہ میں اس کی آمد ورفت رہی، تو اس کا یہ یقین راسخ تر ہوگیا کہ بھائی عبدالرزاق بہ حیثیت انسان ممتاز اور یگانہ آدمی ہیں۔

تکیے کے قیام پر کوئی ایک ماہ گزرا ہوگا کہ ایک روز بھائی عبدالرزاق نے حضرت مولاناؒ کو بتایا کہ مولوی نور عالم صاحب بہت اچھی دم کی چائے لیتے ہیں اور اس کے دم کرنے کا خاص اہتمام کرتے ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا: بھئی تب تو ہم نے اِنھیں اتنے عرصے تک ''خانقاہی چائے'' پلا کر بہت پریشان کیا۔ اُسی وقت بھائی عبدالرزاق سے فرمایا کہ تم اِنھیں شہر لے جاؤ اور جو چائے انھیں پسند ہو، وہ اور اس کے لیے جو برتن چاہیے وہ انھیں خرید دو۔ راقم نے بھائی عبدالرزاق کی راہ نمائی میں لپٹن گرین لیبل اور تاج محل چائے لی اور کیتلی، پتیلی اور کئی عدد چمچے خریدے۔ اِس کے بعد حضرتؒ کا یہ معمول بن گیا تھا کہ ۸-۹ بجے سے ظہر کی اذان تک کے لکھنے پڑھنے کے دورانیے کے بیچ میں ایک بار ضرور فرماتے مولوی نور صاحب! آپ کی چائے

کا وقت ہوگیا ہے، چائے تیار کیجیے ہم بھی لیں گے۔ یہ اِس لیے فرماتے تا کہ راقم کو چائے بنانے میں تکلف نہ ہو۔ بھائی عبدالرزاق کو حکم فرمادیا تھا کہ اِن کے لیے مہمان خانے کے اندر چھوٹے والے شمالی مغربی کمرے میں دودھ اور اسٹو کا انتظام کردو چناں چہ بہت بڑا پیتل کا اسٹو، جس سے بڑا راقم نے اپنی زندگی میں پہلے دیکھا نہ بعد میں اور اب تو گیس کے چولھے نے اسٹو کا ورق ہی الٹ دیا ہے، بھائی عبدالرزاق نے اسی کمرے کے مچان سے اتار کے صاف کر کے راقم کے حوالے کر دیا۔ تکیہ کے شمال میں واقع ''پوروا'' گاؤں سے ایک کلو دودھ آجاتا تھا، اب ایسا اصلی دودھ شاید کسی وزیر اعظم اور شاہِ مُعَظَّم کو بھی میسر نہ آتا ہوگا۔

حضرت مولاناؒ کا معمول تھا کہ ظہر کی نماز کے بعد دوپہر کا کھانا مہمانوں کے ساتھ تناول فرماتے تھے۔ بھائی عبدالرزاق مہمان خانے کے جنوبی مشرقی کمرے میں جو قدرے ہال نما لمبا سا تھا دسترخوان بچھاتے، کھانا لگاتے اور سارے مہمانوں کو پھر حضرت مولاناؒ کو بلا کر لاتے۔ بھائی عبدالرزاق حضرت مولاناؒ اور مہمانوں کے ساتھ ''باجماعت'' کھانے میں عموماً شریک نہ ہو پاتے تھے؛ کیوں کہ وہ انتظامات میں مصروف رہتے، کسی جگہ روٹی ڈالتے، کہیں دال اور گوشت کم پڑ جائے تو اس کو پورا کرتے، پانی پلاتے؛ اِس لیے بالعموم وہ سب لوگوں کے فارغ ہونے کے بعد ہی ناشتہ یا کھانا، بعض اُن طلبہ یا مدرسین دارالعلوم ندوۃ العلما کے ساتھ لیتے تھے، جو حضرت مولاناؒ اور مہمانوں کے کھانے کے دوران انتظامات میں بھائی عبدالرزاق کا ساتھ دیتے تھے۔

حضرت مولاناؒ کا معمول تھا کہ وہ دوپہر کے کھانے کے بعد قُبَیلِ عصر تک قیلولہ فرماتے۔ بھائی عبدالرزاق اِن اوقات کو ضروری کاموں میں صرف کرتے جو یا تو مہمان خانے سے متعلق ہوتے یا حضرت مولاناؒ سے۔ شاید و باید ہی چند منٹ کے لیے کبھی لیٹتے رہے ہوں گے۔ اُس زمانے میں تکیہ پر بجلی نہیں آئی تھی ہاتھ کے پنکھوں سے گرمی سے راحت حاصل کی جاتی تھی۔ چھوٹے چھوٹے پنکھوں کے علاوہ تاڑ کی شاخ کا ایک بڑا سا پنکھا بھی تھا، جو بیچ کے ہال کمرے میں پڑا رہتا تھا اور مجمع میں جھلا جاتا تھا۔ اُس زمانے میں مہمان خانے کے مغربی سمت کے کمروں، بالخصوص چھوٹے والے شمالی مغربی کمرے کی کھڑکیوں پر خس کی ٹٹّیاں بندھی ہوئی تھیں؛ کیوں کہ اُن کھڑکیوں کا راست تعلق اُس کمرے سے بھی تھا جس میں حضرت مولاناؒ قیلولہ فرماتے، عبادت کرتے اور تالیفی کام کرتے تھے، جو جانب شمال شرق میں واقع تھا۔ بھائی

عبدالرزاق ان اوقات میں پابندی سے بالٹی میں ہینڈ پائپ سے پانی لاکر لگ کے ذریعے اُن ٹٹیوں کو تر کرتے تھے، جس کی وجہ سے کمروں کے اندر بڑی راحت محسوس ہوتی تھی، بالخصوص حضرت مولاناؒ کے کمرے کی فضا خاصی راحت بخش ہوجاتی تھی۔ راقمِ سطور اُس وقت بالکل نوجوان تھا، محنت کے کام سے اُس کو خوشی ہوتی تھی۔ بھائی عبدالرزاق کی کرم فرمائی سے کبھی کبھی اُس کو بھی ان ٹٹیوں کو تر کرنے کی سعادت حاصل ہوجاتی تھی۔ لو کے اس موسم میں ان ٹٹیوں کو تر کرنے میں جو مزا آیا وہ زندگی میں محنت کے بہت کم کاموں میں آیا ہوگا۔ بھائی عبدالرزاق بڑے کشادہ قلب اور حلیم انسان تھے کبھی ایسا نہ ہوا کہ راقم نے اُن سے اِس کام کی یا دیگر ایسے کاموں کی جو اس کے بس میں ہوتے تھے، اجازت طلب کی ہو اور اُنھوں نے نا کر دیا ہو۔

عصر کی نماز کے بعد حضرت مولاناؒ کا معمول یہ تھا کہ مہمان خانے کے برآمدے میں جو جانبِ شرق میں تھا ایک چارپائی پر دیوار سے ٹیک لگا کے بیٹھ جاتے اور دیگر چارپائیوں پر مہمان اور ملاقات کو آنے والے حضرات اِردگرد بیٹھتے اور مولانا نثار احمد سیوانی کسی ولی اللہ کی سیرت پر کسی کتاب کو تھوڑا تھوڑا روزانہ پڑھتے، جیسے سیرت مولانا عبدالقادر رائپوریؒ، سیرت مولانا محمد علی مونگیریؒ، یا کسی مردِ صالح کے مواعظ حسنہ یا ملفوظات کا مجموعہ پڑھا جاتا اور حضرت مولانا اور سارے حاضرین بہ غور سنتے اور فائدہ اُٹھاتے۔ بھائی عبدالرزاق بڑی سی پتیلی میں گھر سے چائے منگواتے اور حضرت مولاناؒ سمیت سارے حاضرین کو پیش کرتے۔ یہ مجلس مغرب کی اذان سے ذرا پہلے تک جاری رہتی۔ پھر حضرت مولاناؒ مغرب کی نماز کے لیے بالعموم وضو کی تجدید کرتے اور بھائی عبدالرزاق یا کسی عالم وطالب علم کے ساتھ (بالعموم دارالعلوم ندوۃ العلماء سے تعلق رکھنے والے، جن کی آمد کا سلسلہ ہمیشہ قائم رہتا تھا) مسجد تشریف لے جاتے۔ مغرب کی سنتوں کے بعد بالعموم لوگ مسجد سے آجاتے؛ لیکن حضرت مولاناؒ اوابین کی رکعتیں پابندی سے پڑھتے پھر مہمان خانے تشریف لاتے۔ بھائی عبدالرزاق بھی حضرتؒ کے ساتھ ہی واپس آتے؛ اس لیے عموماً وہ بھی اوابین کی پابندی کرتے تھے، اِلّا یہ کہ کسی دن مہمان خانے کی کوئی اہم ضرورت اُن کے لیے مانع ہوتی یا حضرت کے کسی حکم کی تعمیل جو اُسی وقت ضروری ہوتی حارج ہوتی تو اُس دن وہ یہ نماز نہیں پڑھ پاتے تھے۔

❍❖❍

بیاد: ڈاکٹر کلیم عاجز

ایک پیکر اخلاق و وفا نہ رہا

مولانا ضیاء الحق خیر آبادی، مدرس مدرسہ سراج العلوم چھپرہ، ضلع مئو (یوپی)

آج (۱۵؍فروری ۱۵ء اتوار) دوپہر میں ایک خبر ملی کہ ''ڈاکٹر کلیم عاجز صاحب کا صبح ۸؍بجے انتقال ہوگیا۔'' یہ سن کر میں سناٹے میں آ گیا، کچھ دیر تو سکتے کی سی کیفیت طاری رہی، میں نے بے یقینی کی کیفیت میں ان کے موبائل نمبر پر کال کی تو ان کے خادم نے اس کی تصدیق کردی تو رہی سہی امید دم توڑ گئی اور زبان دیر تک تلقین ربانی اناللہ کا ورد کرتی رہی اور ان کے لئے دعا مغفرت کے کلمات زبان پر جاری رہے۔ ابھی دو تین روز پہلے ان سے فون پر بات ہوئی تھی وہ حرمین شریفین اور امریکہ کے ساڑھے چار ماہ کے طویل دورے کے بعد ابھی ۲۴؍جنوری کو واپس آئے تھے، میں نے کہا کہ میں ۱۴؍فروری کو دہلی جا رہا ہوں واپسی کا ٹکٹ ۱۸؍فروری کا بنوا کے جمعرات کی صبح آپ کے در دولت پر حاضر ہوتا ہوں، کہنے لگے کہ ٹھیک ہے میں ہزاری باغ اور دھنباد جا رہا ہوں میں بھی جمعرات کی صبح آجاؤں گا۔ ان کے خادم سے اتنا معلوم ہوا کہ ابھی دھنباد نہیں جا سکے تھے ہزاری باغ ہی میں طبیعت خراب ہوئی اور انتقال فرما گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے۔ ڈاکٹر صاحب کے تعارف میں استاذ محترم حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی نے ان شخصیت کی مکمل عکاسی کی ہے:

''ڈاکٹر کلیم عاجز صاحب اس دور میں متاعِ درد و غم، سرور عشق و محبت، جذبۂ خلوص و بے نفسی اور انسانیت و شرافت کی ایک روشن علامت ہیں۔ بہار کا یہ مظلوم انسان جس نے ابتداء جوانی میں فسادیوں، رہزنوں اور قاتلوں کے ہاتھوں اپنے پورے خاندان، اپنی پوری بستی بلکہ ایک خطے کے خطے کو برباد ہوتے دیکھا۔ درد و غم کی اَنی دل میں اتری اور ٹوٹ کر رہ گئی، اس درد کی کسک کو انھوں نے شعر و ادب کا پیکر عطا کر کے دنیا والوں کے سامنے تحفہ کے طور پر پیش کیا، خاموش مگر نہایت گہری سوچ والے، یکسو مگر کام کی ہر چیز پر وسیع نگاہ رکھنے والے، ان کی کتاب ''جہاں خوشبو ہی خوشبو تھی'' سے تعارف ہوا، وہی ذریعۂ ملاقات بنی، ان کی غزلوں کے مجموعہ ''وہ جو شاعری کا سبب ہوا'' نے ان کے دل کی ترجمانی کی، بس وہ اپنے اس شعر کے ہو بہو مصداق ہیں:

کیسے کیسے دکھ نہیں جھیلے، کیا کیا چوٹ نہ کھائے ❖ پھر بھی پیار نہ چھوٹا ہم سے عادت بری بلائے

دنیا کا اپنے انداز کا نرالا البیلا انسان، نہایت دیندار، بہت ہی پُر سوز، ان کا البیلا پن، ان کا جذبۂ بیداری اور ان کا سوزِ دروں، جب الفاظ کے پیکر میں جلوہ گر ہوتا ہے تو ادب و انشاء کا ایک نیا اُسلوب جنت نگاہ بنتا ہے۔''

حضرت مولانا ایک خط میں لکھتے ہیں: ''میرے سامنے ایک شخصیت ہے، بچپن اس کا محبت کی معصوم فضاؤں میں گذرا۔ جوانی آئی تو گردشِ زمانہ نے سخت ٹھوکر لگائی، مگر سنبھالنے والا اسے سنبھالے رہا۔ اب اس کا بڑھاپا ہے، آفتابِ عمر لب بام آ گیا ہے، اب کوئی دم ہے کہ کانوں میں یَا أَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ إِرْجِعِیْ إِلیٰ رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً (اے نفس مطمئنہ! اب اپنے رب کے حضور لوٹ چل، اس حال میں لوٹ چل کہ تو بھی راضی اور وہ بھی راضی) کی صدائے دلنواز گونجنے والی ہے، اور وہ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ (میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا) کی رہنمائی میں انھیں لوگوں کے جھرمٹ میں جا پہونچے گی، جس کی یاد میں اس نے آنسو دریا بہائے ہیں، زندگی تڑپ تڑپ کر بسر کی ہے، اور سب کے ساتھ مل کر وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ (میری جنت داخل ہو جا) کا روح پرور نغمہ سنتے ہوئے جنت میں جا داخل ہوگی، جہاں ناقدری کی شکایت نہ ہوگی! ایسی شخصیت کو بھلا یہاں کے ناقدروں سے کیا شکوہ؟

اس نے سب کے ساتھ پیار کیا ہے اور کئے جا رہا ہے، اس نے دشمن کو گلے لگایا ہے، اس نے کانٹوں کو پھول سمجھ کر اٹھایا ہے، اس نے زخموں سے بھی پیار کیا ہے، اور زخم دینے والے ہاتھوں کو بھی بوسہ دیا ہے''۔

حضرت مولانا کی وساطت سے ان سے خط و کتابت شروع ہوئی، اور آج سے ۲۲ رسال پہلے ۱۹۹۳ء میں ان کی محبت مجھے کھینچ کر ان کے آستانے پر پٹنہ لے گئی، یہ اس وقت کی بات ہے جب میں درجہ فارسی میں پڑھ رہا تھا اور ان کی خودنوشت سوانح جہاں خوشبو ہی خوشبو تھی اور ان کا سفرنامہ حج ''یہاں سے کعبہ، کعبہ سے مدینہ'' پڑھ چکا تھا۔ اور ان سے حد درجہ ان کی نثر اور اشعار دونوں نے مجھے اپنا بنا رکھا تھا، کسی شاعر کا کلام اور نثری تحریریں جتنی میں کلیم عاجز صاحب کی پڑھی ہیں کسی کی نہیں پڑھی ہیں، پہلی ملاقات کے بعد یہ محبت نہایت تعلقات میں بدل گئی، پھر تو نہ جانے کتنی بار محض ان سے ملنے پٹنہ گیا، ان کی شرافت و انسانیت، محبت و مروت، تواضع و خاکساری، اعلیٰ درجہ کا اخلاق ان سب چیزوں نے مجھے ہمیشہ ان کا اسیر بنائے رکھا، اور میں نے ان کا پیغام محبت عام کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، ان کی ذرہ نوازی اور قدر افزائی کا حال یہ تھا کہ میں نے ایک مرتبہ جب وہ دہلی سے پٹنہ واپس آ رہے تھے تو درخواست کی کہ آپ میرے وطن خیر آباد اور ہمارے مدرسہ شیخوپور آیئے انھوں نے بغیر کسی تامل کے یہ درخواست منظور کی، اور دونوں جگہوں پر تشریف لائے اور دونوں جگہ ان کے پروگرام ہوئے، پھر میں ان کو رخصت کرنے ان کے گھر پٹنہ تک ساتھ گیا۔ اب تو ہر سال یہ معمول بن گیا تھا کہ ایک دو بار ملاقات کے لئے پٹنہ پہونچ جاتا تھا، اسی سلسلے کی ایک کڑی بدھ کا سفر پٹنہ تھا، لیکن افسوس کہ اب وہ نہ مل سکیں گے تو چل کر قبر پر حاضری دے لیں ان کی یاد میں کچھ آنسو بہالیں، ان

کے لئے دعائے مغفرت کا سلسلہ تو انشاء اللہ تاحیات جاری رہے گا ان کی یادیں تو مسلسل دردِ دل پر دستک دیتی رہیں اور ان کی غیر معمولی شفقت ومحبت اور قدر افزائی خون کے آنسو رلاتی رہے گی۔

ڈاکٹر صاحب اکتوبر ۱۹۲۵ء میں عظیم آباد (پٹنہ) کے ایک دیہات ''تیلہاڑہ'' میں پیدا ہوئے، ابتداء ہی مطالعہ کا ایسا ذوق پیدا ہوا کہ دس سال کی عمر میں فسانہ عجائب طلسم ہوش ربا اور نہ جانے کون کون سی ادبی کتابیں اور رسالے پڑھے ہی نہیں بلکہ چاٹ ڈالے، اسی زمانے میں کچھ اشعار بھی کہے، ہائی اسکول انھوں نے امتیازی شان کے ساتھ پاس کیا، لیکن اسی دوران کچھ خانگی پریشانیاں والد کا انتقال اور پھر ۱۹۴۶ء کے فساد کا دلسوز والمناک سانحہ جس نے ان کو زیروزبر کرڈالا، ۱۹۴۶ء میں عین بقرعید کے دن ان کی ماں اور بہن سمیت خاندان کے ۲۲/افراد اور گاوں کے تقریباً ۸۰۰/افراد فسادیوں درندوں اور جنونیوں کے ہاتھوں شہید ہوگئے، اس حادثے نے ان پر کیا کیفیت پیدا کی، اسے ان کی خودنوشت سوانح ''جہاں خوشبو ہی خوشبو تھی'' میں پڑھئے۔ یہ غم والم کو انھوں نے شعروادب کا پیکر عطا کیا، وہ کہتے:

غم نے گانا بجانا سکھایا ❖ جان دیدیں گے گاتے بجاتے

اس سانحے کے کئی سال کے بعد انھوں نے تعلیمی سلسلہ دوبارہ شروع کیا، اور ایم اے پی ایچ ڈی کرنے کے بعد پٹنہ یونیورسٹی میں پروفیسر ہوئے اور اخیر میں شعبہ اردو کے صدر شعبہ کی حیثیت سے ۱۹۸۴ء سے سبکدوش ہوئے۔ اس کے بعد انھوں نے بقیہ زندگی دین کی اشاعت اور پیغام محبت وانسانیت کو عام کرنے میں بتادی، وہ بہار تبلیغی جماعت کے گزشتہ کئی دہائیوں سے امیر رہے۔ مرکز کے تمام اکابرین سے ان کے نہایت گہرے مراسم رہے، امیر جماعت تبلیغ مولانا انعام الحسن صاحب پر ان کا مرثیہ جو اردو ادب کا شاہکار ہے ان کی نظموں کے مجموعہ ''کوچۂ جاناں جاناں....'' میں ہے۔ ان کی وفات سے ایک عہد کا خاتمہ ہوگیا۔

ان کی تصانیف درج ذیل ہیں: (۱) وہ جو شاعری کا سبب ہوا..... (پہلا مجموعہ کلام) (۲) جب فصل بہاراں آئی تھی.. (دوسرا مجموعہ کلام) (۳) پھر ایسا نظارہ نہیں ہوگا.... (مجموعہ کلام) (۴) جہاں خوشبو ہی خوشبو تھی (خودنوشت سوانح) (۵) ابھی سن لو مجھ سے (خودنوشت سوانح) (۶) کوچۂ جاناں جاناں!... (نظموں اور نعتوں کا مجموعہ) (۷) مجلس ادب (شعری نشستوں کی ایک روداد) (۸) دیوانے دو (خطوط کا مجموعہ) (۹) میری زبان میرا قلم (مجموعہ مضامین دوجلد میں) (۱۰) دفتر گم گشتہ (پی ایچ ڈی کا مقالہ) (۱۱) یہاں سے کعبہ کعبہ سے مدینہ (سفرنامہ حج) (۱۲) ایک دیس اک بدیسی (سفرنامہ امریکہ) ❍❖❍

کتاب المسائل: مفتی محمد سلمان منصور پوری

تین طلاق سے متعلق مسائل

بیوی سے کہا: ''ایک، دو، تین''

ایک، دو، تین کا لفظ اصالۃً طلاق کے لئے نہیں؛ بلکہ گنتی کے لئے موضوع ہے، جس سے طلاق کی گنتی بھی مراد لی جاسکتی ہے اور غیر طلاق کی بھی، پس اگر شوہر نے ایک دو تین سے ایک دو تین طلاق مراد لی ہے، یا طلاق کی گفتگو کے دوران یہ الفاظ ادا کئے ہیں، تو بیوی پر طلاقِ مغلظہ واقع ہوجائے گی۔ اور اگر اس سے طلاق مراد لینے کا کوئی قرینہ نہیں ہے، اور شوہر اس سے طلاق مراد لینے کا انکار کرتا ہے تو اس کی بات معتبر ہوگی اور طلاق واقع نہ ہوگی۔

لو قال لامرأته: أنت مني بثلاث، قال ابن الفضيل: إذا نوى يقع، ولو قال: أنت مني ثلاثاً، طلقت إن نوى، أو كان مذاكرة الطلاق قوله: بثلاث، دل على عدد مقدر نواه المتكلم. (شامي ۲۷۵/۳ کراچی، الفتاویٰ الهندية ۳۷۵/۱، الفتاویٰ التاتارخانية ۲۷۵/۳ کراچی، منحة الخالق ۴۴۱/۳، مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۴۶۳/۱۲ ڈابھیل)

کہا: ''تجھے مجھ سے تین ہیں''

اگر کوئی شخص بیوی کو طلاق دینے کی نیت سے یا مذاکرۂ طلاق کے دوران یہ کہے کہ ''تجھے مجھ سے تین ہیں''، تو بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔

ولو قال لامرأته أنت مني ثلاثاً، إن نوى الطلاق طلقت، وإن قال لم أنو الطلاق لم يصدق إن كان في حال مذاكرة الطلاق. (الفتاویٰ الهندية ۳۵۷/۱)

کہا: ''تجھے تین ہیں''

اگر کوئی شخص تین طلاق دینے کی نیت سے یا مذاکرۂ طلاق کے دوران بیوی سے کہے: ''تجھے تین ہیں'' تو بیوی پر تین طلاق پڑ جائیں گی، لیکن اگر مذاکرۂ طلاق نہ ہو اور شوہر یہ دعویٰ کرے کہ اس لفظ سے میں نے طلاق کی نیت نہیں کی تھی تو اس کا قول معتبر ہوگا۔

ولو قال أنت بثلاث وقعت ثلاث إن نوى، ولو قال لم أنو لا يصدق إذا كان في حال مذاكرة الطلاق، وإلا صدق. (الفتاوىٰ الهندية ۳۵۷/۱)

''ایک طلاق دی، ایک طلاق دی، ایک طلاق دی'' کا حکم؟

اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے تین مرتبہ یہ جملہ کہے، ''میں نے تجھے ایک طلاق دی، ایک طلاق دی، ایک طلاق دی''، تو قضاءً اس کی بیوی پر تین طلاقیں مغلظہ واقع ہوجائیں گی؛ البتہ اگر شوہر یہ دعویٰ کرے کہ میں نے پہلے لفظ سے طلاق دی ہے، اور دوسرا اور تیسرا لفظ بطورِ تاکید اور تفہیم کے ذکر کیا ہے، تو دیانۃً اس کی نیت معتبر ہوگی، اور صرف ایک طلاق واقع ہوگی۔

رجل قال لامرأته أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، فقال: عنيت بالأولى الطلاق، وبالثانية والثالثة إفهامها صدق ديانة، وفي القضاء طلقت ثلاثاً كذا في قاضي خان، حتى لو كرر لفظ الطلاق بحرف الواو أوبغير حرف الواو يتعدد الطلاق، وإن عنى بالثاني الأول، لم يصدق في القضاء. (الفتاوىٰ الهندية ۳۰۰/۱، مستفاد: فتاوىٰ محموديه ۴۶۲/۱۲ ڈابھیل)

کہا: ''تجھے طلاق ہے، اور طلاق ہے، اور طلاق ہے''

اگر کسی شخص نے اپنی مدخولہ بیوی سے کہا کہ ''تجھے طلاق ہے اور طلاق ہے اور طلاق ہے''، یا ''تجھے طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے''، تو قضاءً بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی، اب بغیر حلالہ کے اس سے نکاح جائز نہ ہوگا۔

وإذا قال لامرأته أنت طالق وطالق وطالق ولم يعلقه بالشرط إن كانت مدخولة طلقت ثلاثاً، وإن كانت غير مدخولة طلقت واحدة. (الفتاوىٰ الهندية ۳۵۵/۱)

''طلاق دے دی، دے دی، دے دی'' کا کیا حکم ہے؟

اگر مذاکرۂ طلاق کے دوران بیوی سے کہا کہ ''طلاق دے دی، دے دی، دے دی''، تو اگر تاکید کی نیت ہو تو صرف ایک طلاق واقع ہوگی اور اگر نئی طلاق دینے کی نیت ہو یا بلا نیت یہ الفاظ ادا کئے ہوں، تو تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴۵۸/۱۲ ڈابھیل)

ولو قالت: مرا طلاق كن، مرا طلاق كن، مرا طلاق كن، فقال: كردم، كردم، كردم، تطلق ثلاثاً وهو الأصح. (الفتاوىٰ الهندية ۳۸۳/۱، امداد الفتاوىٰ ۴۳۰/۲ زكريا)

کہا: ''تجھے طلاق ہے، پھر طلاق ہے، پھر طلاق ہے''

اگر کوئی شخص اپنی مدخولہ بیوی کو طلاق دیتے وقت اس طرح کہے کہ: ''تجھے طلاق ہے، پھر طلاق ہے، پھر طلاق ہے''، تو اس کی مدخولہ بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی، اور بیوی حرمت مغلظہ کے طور پر شوہر پر حرام ہوجائے گی۔

وكذا إذا قال أنت طالق، ثم طالق، ثم طالق.....، إن كانت مدخولة طلقت ثلاثاً، وإن كانت غير مدخولة طلقت واحدة. (الفتاوىٰ الهندية / كتاب الطلاق ۳۵۵/۱ زكريا)

''ایک طلاق، دوطلاق، تین طلاق'' کا حکم

اگر کوئی شخص مذاکرۂ طلاق کے دوران یا غصہ میں اپنی بیوی سے کہے کہ ایک طلاق، دوطلاق، تین طلاق، تو اس کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی، بغیر حلالہ کے نکاح کرنا جائز نہیں۔

كرر لفظ الطلاق وقع الكل (درمختار) وإن نوى التاكيد دين بأن قال للمدخولة أنت طالق، أنت طالق أو قد طلقتك قد طلقتك أوأنت طالق قد طلقتك أو أنت طالق وأنت طالق أي وقع الكل قضاءً. (شامي مع الدر / باب طلاق غير المدخول بها ۵۲۱/۴ زكريا، كذا في الفتاوىٰ الهندية / الباب الثاني، الفصل الأول ۳۵۵/۱ زكريا، مستفاد: فتاوىٰ دار العلوم ديوبند ۲۹۱/۹)

ایک طلاق دے کر بار بار لوگوں سے اسے نقل کرنا

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو صرف ایک بار طلاق دی، پھر بعد میں متعدد لوگوں کے دریافت کرنے پر اسے دوہراتا رہے، اور اس کا مقصد اسی سابقہ ایک طلاق کی خبر دینا تھا، تو اس کی بیوی پر صرف ایک طلاق واقع ہوگی، دوسروں کو خبر دینے سے مزید کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

وإذا قال أنت طالق ثم قيل له ما قلت؟ فقال: قد طلقتها، أو قلت هي طالق فهي طالق واحدة؛ لأنه جواب. (شامي / طلاق غير المدخول بها ۵۲۱/۴ زكريا، مستفاد: فتاوىٰ دار العلوم ديوبند ۳۳۹/۹)

''تجھ پر طلاقِ مغلظہ ہے'' کا حکم

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ ''تجھ پر طلاقِ مغلظہ ہے'' تو اس کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی، اور وہ شوہر پر حرام ہوجائے گی، اب بغیر حلالہ کے اس سے دوبارہ نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا۔

فإن نوى ثلاثاً فثلاث؛ لأنه فرد حكمي. (شامي ٥٩٤/٢) **وقد علّلوا صحة نية الثلاث في جميع ما مر بأنه وصف الطلاق بالبينونة وهي نوعان: خفيفة وغليظة، فإذا نوى الثانية صح، فيقال إن تاء الواحدة لا تنافي إرادة البينونة الغليظة، وهي ما لا تحل له المرأة معها إلا بزوج أخر.** (شامي ٥٠٠/٤ زكريا، مستفاد: فتاوىٰ دارالعلوم ديوبند ٣٤٤/٩)

حالتِ حیض میں تین طلاق دینا

حالتِ حیض میں طلاق دینا ناپسندیدہ اور بدعت ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص اس حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دیدے، تو طلاق واقع ہوجائے گی، حتی کہ اگر حیض کی حالت میں کسی نے تین طلاق دے دی، تو بیوی نکاح سے بالکلیہ نکل کر شوہر پر حرام ہوجائے گی، اور حلالہ کے بغیر دوبارہ نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا۔

والبدعي من حيث الوقت أن يطلق المدخول بها وهي من ذوات الأقراء في حالة الحيض أو طهر جامعها فيه وكان الطلاق واقعاً. (الفتاوىٰ الهندية ٣٤٩/١) **والبدعي الذي يعود إلى العدد أن يطلقها ثلاثاً في طهر واحد بكلمة واحدة أو بكلمات متفرقة.** (الفتاوىٰ الهندية ٣٤٩/١) **وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل ثم يطلقها.** (الهداية ٣٧٢/٢، فتاوىٰ دارالعلوم ديوبند ٣٠٥/٩)

''تجھے طلاق ہے'' کسی نے پوچھا کتنی؟ کہا: تین

ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ ''تجھے طلاق ہے''، بعد میں کسی نے پوچھا کہ ''کتنی''؟ شوہر نے کہا: ''تین''۔ تو تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔

ولو قال أنت طالق فقيل له بعد ما سكت كم؟ قال ثلاثاً، يقع الثلاث، كذا في الخلاصة. (الفتاوىٰ الهندية ٣٥٩/١)

ایک سے زائد بیویوں سے کہا کہ ''تم سب کو تین طلاق''

اگر کسی شخص کے ایک سے زائد بیویاں ہوں اور وہ ان کو مخاطب کرکے کہے کہ: ''تم سب کو تین طلاق'' تو ہر ایک پر تین تین طلاقیں پڑ جائیں گی، اب ان میں کسی سے بھی بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح نہیں کرسکتا۔

ولو قال لثلاث نسوة له أنتن طوالق ثلاثاً أو طلقتكن ثلاثاً يقع على كل واحدة ثلاث. (الفتاوىٰ الهندية ٣٦١/١)

بیوی کا نام لئے بغیر ''طلاق طلاق طلاق'' کہنا

طلاق دینے کے لئے بیوی کا نام لینا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ لفظ بول کر بیوی کی محض نیت کر لینے سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا اگر کوئی شخص بیوی کا نام لئے بغیر کہے: ''طلاق، طلاق، طلاق''، اور پوچھنے پر بتائے کہ بیوی کو طلاق دینا مراد تھا، یا بیوی سے گفتگو کے دوران یہ الفاظ استعمال کرے، تو اس کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔

ولا يلزم كون الإضافة صريحةً في كلام لما في البحر: لو قال طالق، فقيل له من عنيت؟ فقال: امرأتي، طلقت امرأته؛ لأن العادة أن من له امرأة إنما يحلف بطلاقها، لابطلاق غيرها. (شامی ۲۴۸/۳ کراچی، البحر الرائق ۴۴۲/۳)

خلوت سے قبل تین طلاق

اگر رخصتی سے قبل بیوی سے کہا کہ تجھے تین طلاق، تو اس پر تین طلاق واقع ہوجائیں گی، اور اگر الگ الگ الفاظ استعمال کئے، مثلاً کہا کہ تجھے طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے، تو اس غیر مدخولہ بیوی پر صرف ایک طلاق بائن واقع ہوگی، اور وہ فوراً (بلا عدت) نکاح سے باہر ہوجائے گی اور اس پر دوسری اور تیسری طلاق واقع نہ ہوگی۔ (کیوں کہ عدت باقی نہیں رہی)

إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً قبل الدخول بها وقعن، فإن فرق الطلاق بانت بالأولى ولم تقع الثانية والثالثة، وذٰلک مثل أن يقول: أنت طالق، طالق، طالق. (الفتاویٰ الهندية ۳۷۳/۱، شامي ۲۸۴/۳ کراچی) **طلق غير الموطوءة ثلاثاً، وقعن، وإن فرق بانت بالأولى.** (تبيين الحقائق ۲۱۳/۲ ملتان)

طلاقِ بائن دے کر دورانِ عدت تین صریح طلاق دینا

اگر کسی نے اپنی مدخولہ بیوی کو طلاقِ بائن دی، پھر دورانِ عدت اس کو مزید تین طلاقیں دے دیں، تو طلاقِ بائن کے ساتھ دو طلاقِ صریح مل کر بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔

الصريح يلحق الصريح ويلحق البائن بشرط العدة. (الدر المختار مع الشامي ۶۴۵/۲) **وفي الشامية: فإذا أبان امرأته ثم طلقها ثلاثاً في العدة وقع.** (شامي ۲۴۶/۲، فتاویٰ دار العلوم ۲۹۳/۹)

''تو مجھ پر حرام ہے، تجھے تین طلاق'' کا حکم

''تو مجھ پر حرام ہے'' یہ ایک کنائی لفظ ہے، جو عرف میں طلاقِ بائن کے لئے مستعمل ہے، اور ''تجھے تین طلاق ہے'' یہ طلاق کے لئے صریح لفظ ہے، اور قاعدہ ہے کہ عدت کے اندر اندر صریح الفاظ سے دی گئی طلاق، طلاقِ بائن کے ساتھ ملحق ہوجاتی ہے۔ بریں بنا اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا ''تو مجھ پر حرام ہے میں نے تجھے تین طلاق دی'' تو بیوی پر تین طلاقیں مغلظہ واقع ہوجائیں گی، اور بیوی شوہر پر حرام ہوجائے گی، اب بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کرنا جائز نہ ہوگا۔

الصريح يلحق الصريح والبائن. (شامي / باب الكنايات ٦٤٥/٢، فتاویٰ دار العلوم ٣٢١/٩)

تین سے زائد طلاق دینا

آزاد عورت صرف تین ہی طلاق کا محل ہوتی ہے، اس سے زیادہ کا نہیں؛ لہٰذا تین سے زیادہ طلاق دینے پر بیوی پر تین ہی طلاق واقع ہوں گی، اور زائد طلاقیں لغو اور بیکار ہوجائیں گی۔

رجل قال لامرأته: هزار طلاق تو بكى كردم" قالوا: يقع الثلاث، كأنه قال: طلقتك ثلاثاً بدفعة واحدة. (فتاویٰ قاضي خان ٤٥٤/١، الفتاویٰ الهندية ٣٨٠/١، الفتاویٰ التاتارخانية ٢٧٥/٣ كراچی)

غیر مقلد شوہر نے بیوی حنفی کو تین طلاق دے دی، تو کیا حکم ہے؟

ائمہ اربعہ (حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ) اور جمہور علماء وفقہاء ومحدثین کے مسلک کے مطابق تین طلاق سے بیوی مغلظہ بائنہ ہوکر شوہر پر حرام ہوجاتی ہے، اور شوہر کے غیر مقلد ہونے سے مسئلہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا؛ لہٰذا اگر غیر مقلد شوہر نے حنفی المذہب بیوی کو تین طلاق دے دیں، تو بغیر حلالہ کے دوبارہ اس سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا، بیوی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے مسلک کے مطابق عمل کرے اور شوہر کو اپنے اوپر ہرگز قدرت نہ دے۔

قال لزوجته غير المدخول بها أنت طالق ثلاثاً وقعن لما تقرر أنه متى ذكر العدد كان الوقوع به، وإن فرق بانت بالأولىٰ ولم تقع الثانية بخلاف الموطوءة حيث يقع الكل. (الدر المختار مع الشامي ٦٢٤/٢، مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ديوبند ٣٤٠/٩) □□□

مطالعہ کی میز پر:

تَعَلَّمُوْا الْعَرَبِيَّةَ فَإِنَّهَا مِنْ دِيْنِكُمْ

مفتی محمد عفان منصورپوری

اِسلامی معاشرہ میں عربی زبان جس تقدس اور عظمت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے، اور جس مقام ومرتبہ کی حامل مانی جاتی ہے، اس کے قریب قریب بھی کوئی دوسری زبان نہیں پہنچ سکتی، اور حد تو یہ ہے کہ مسلمان اَپنی مادری زبان سے زیادہ عزیز فخرِ انسانیت محمد عربی ﷺ کی زبان کو مانتے ہیں، اور ماننا بھی چاہئے؛ کیوں کہ مصادرِ شریعت قرآن وحدیث اسی زبان میں ہے، اور عربی میں درک حاصل کئے بغیر مرادِ باری تعالیٰ اور مقصودِ پیغمبر علیہ السلام کو سمجھنا ممکن نہیں، عربی زبان کی اِسی اَہمیت کے پیشِ نظر خلیفۂ دوم سیدنا عمر فاروق ﷺ نے فرمایا تھا: ”تَعَلَّمُوْا الْعَرَبِيَّةَ فَإِنَّهَا مِنْ دِيْنِكُمْ“ (عربی زبان سیکھو؛ کیوں کہ وہ تمہارے دین کا حصہ ہے)

اِس وقت ہمارے سامنے معروف اَدیب، صاحب طرزِ اِنشاء پرداز، عربی اور اُردو اَدب میں سند کی حیثیت رکھنے والی شخصیت استاذ الاساتذہ حضرت مولانا نور عالم خلیل الامینی مدظلہ چیف ایڈیٹر ماہنامہ ”الداعی“ واستاذِ اَدب عربی دارالعلوم دیوبند کے رشحاتِ قلم کا مجموعہ ۲۱۶ر صفحات پر مشتمل کتابی شکل میں معیاری کاغذ اور دیدہ زیب طباعت کے ساتھ ”تَعَلَّمُوْا الْعَرَبِيَّةَ فَإِنَّهَا مِنْ دِيْنِكُمْ“ کے نام سے موجود ہے۔

کتاب کیا ہے؟ حقیقۃً اپنے موضوع پر ایک دستاویز ہے، عربی زبان کی اہمیت، اِفادیت اور موضوع سے متعلق مختلف گوشوں پر ۱۷ر عناوین کے تحت سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے، دراصل یہ وہ مضامین ہیں جو مختلف موقعوں پر اُم المدارس دارالعلوم دیوبند کے عربی ترجمان ماہنامہ ”الداعی“ کے صفحات کی زینت بن کر باذوق قارئین سے دادِ تحسین وصول کرچکے ہیں۔

سچی بات یہ ہے کہ کتاب کے مشمولات پڑھ کر دل میں یہ داعیہ پیدا ہوتا ہے کہ تمام چیزوں سے زیادہ ضروری عربی زبان واَدب میں مہارت حاصل کرنا ہے، اور دین کی عظیم ترین خدمت عربی زبان سیکھنے سکھانے کے لئے اپنے آپ کو فارغ کرلینا ہے، اور یہی مضمون نگار کا کمال ہے کہ وہ اپنی فکر کو قاری کے ذہن میں نہ صرف منتقل کرے؛ بلکہ راسخ کرکے چھوڑ دے۔ اُستاذِ محترم کو اللہ تعالیٰ نے وہ زورِ قلم، سلاست بیانی، نرالا اور مؤثر اُسلوب عطا کیا ہے کہ جو آپ کی تحریر پڑھتا ہے، ڈوبتا ہی چلا جاتا ہے، اور جب پڑھ کر فارغ ہوتا ہے تو وہ آپ کے نظریہ کا اَسیر، فکر کا حامل اور ضرورت کا احساس کرنے والا بن چکا ہوتا ہے، اور آپ کی تحریر کی خوبی یہ ہے کہ اس میں صرف الفاظ کی بازی گری اور اَدب کی چاشنی ہی نہیں ہوتی؛ بلکہ معتبر معلومات کا بھی ایک گراں قدر ذخیرہ ہوتی ہے۔

استاذِ محترم کا استدلالی اندازِ تحریر اتنا مؤثر ہوتا ہے کہ پڑھنے والا سر دھنتا ہے اور قائل ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ مثلاً ایک مسلسل مضمون کا یہ مختصر سا اقتباس ملاحظہ کیجئے:

أكرم بالمسلمين أن ينطقوا باللغة التي نطق بها حبيب رب العالمين سيد المرسلين وخاتم النبيين محمد ﷺ وأن يخطبوا ويكتبوا باللغة التي اختارها رب العالمين وعاء لكتابه الأخير الخالد المهين على الكتب السماوية كلها، وأن يتعلموا ويتذوقوا العربية التي تكلم بها صحابته أبوبكر وعمر وعثمان وعلي والعشرة المبشرون بالجنة والبدريون والمهاجرون والأنصار الذين لم يتكلموا بغيرها ولم يتم التخاطب فيما بينه ﷺ وبينهم ﷺ إلا بها.

مؤلف محترم کی دیگر کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی علمی حلقوں میں پذیرائی حاصل کرتے ہوئے ہاتھوں ہاتھ لی جارہی ہے، علماء، طلبہ اور عربیت سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لئے یہ کتاب ایک قیمتی سوغات ہے، جس کو جلد سے جلد حاصل کرکے اپنی علمی پیاس کو بجھانے کی ضرورت ہے۔

نام کتاب: ”تَعَلَّمُوْا الْعَرَبِيَّةَ فَإِنَّهَا مِنْ دِيْنِكُمْ“ **مصنف**: مولانا نور عالم خلیل الامینی صاحب، **صفحات**: ۲۱۶، **قیمت**: درج نہیں، **ناشر**: اِدارہ علم وادب اَفریقی منزل قدیم دارالعلوم دیوبند۔ □□□